# اِمام احمد رضا اور علمِ تفسیر

ترتیب

علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

امام احمد رضا اکیڈمی
صالح نگر، رام پور روڈ، بریلی شریف (یو، پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمنوا اِنْ جَاءَ کُم فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوا [الحجرات: ٦]

# امام احمد رضا اور علم تفسیر

تالیف

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف



ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی

صالح نگر، رامپور روڈ، بریلی شریف

سلسلہ اشاعت............................................(۸)

نام کتاب.........................................امام احمد رضا اور علم تفسیر

نام مؤلف.........................................محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

کمپوزڈ سیٹنگ..............................محمد شمس الدین برکاتی، محمد معیف رضا خاں برکاتی

محمد نظیف رضا خاں برکاتی، محمد توصیف رضا خاں برکاتی

تعداد.........................................(۱۱۰۰)

سنہ اشاعت.........................................(۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

ہدیہ...............

برائے ایصالِ ثواب

جناب نواب دولہا خاں صاحب مرحوم ومغفور

والد جناب محمد تسلیم رضا خاں پروپرٹی ڈیلر بریلی شریف

## ملنے کے پتے

| | |
|---|---|
| کتب خانہ امجدیہ | مٹیا محل جامع مسجد دہلی |
| فاروقیہ بک ڈپو | مٹیا محل جامع مسجد دہلی |
| رضوی کتاب گھر | مٹیا محل جامع مسجد دہلی |
| اسلامک پبلشر | مٹیا محل جامع مسجد دہلی |
| اعلیٰ حضرت دارالکتب | نومحلہ مسجد بریلی شریف |
| قادری کتاب گھر | نومحلہ مسجد بریلی شریف |
| برکاتی بک ڈپو | نومحلہ مسجد بریلی شریف |

# علم تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداو مصلیا و مسلما

## تفسیر و تاویل کے معنی

تفسیر کے لغوی معنی ہیں، کسی چیز کو واضح کرنا، بیان کرنا اور تفصیل سے ذکر کرنا۔تو یہ 'فسر' بمعنی کشف سے ماخوذ ہے۔قرآن کریم کی اس آیت میں یہی معنی لغوی مراد ہیں۔

" ولا یا تو نك بمثل الا جئنا ك با لحق و احسن تفسیرا ''(سورۃ الا سراء ۔ )

اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

لفظ تفسیر کا استعمال اشیاء حسیہ اور معانی معقولہ دونوں کے کشف و ایضاح کے لئے ہوتا ہے لیکن معانی میں اکثر۔

تفسیر کے اصطلاحی معنی میں علماء مختلف ہیں، لیکن سب کا مرجع و مآل تقریباً ایک ہے:

یعنی ایسا علم جس کے ذریعہ قرآن کریم کے معانیِ مراد بقدر طاقت بشری سمجھے جائیں۔

لھٰذا یہ تعریف ان تمام چیزوں کو شامل ہے جن پر فہم معنی اور بیانِ مراد موقوف ہو۔

تاویل کے لغوی معنی ہیں، رجوع کرنا۔لھٰذا یہ " اَول " سے مشتق ہے۔تو تاویل آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے معنی کی طرف پھیر دینا جس کی وہ آیت محتمل ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں تفسیر و تاویل کا فرق واضح ہو گیا۔جس کی تعبیر امام ابو منصور ماتریدی کے الفاظ میں یوں کی جاتی ہے کہ تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے حق تعالیٰ کی مراد یہ ہی ہے۔اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ چند احتمالات سے کسی ایک کو یقین کے بغیر ترجیح دینا۔

بعض مفسرین نے تفسیر کو روایت اور تاویل کو درایت کے ساتھ خاص مانا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آیت کے کوئی معنی بلا دلیل بیان کئے جائیں تو نہ وہ مسموع اور

نہ صحیح بلکہ وہ تاویل فاسد ہے اور آیات سے کھلواڑ کے مترادف۔ لہٰذا ایسے معنی تفسیر بالرائے کے قبیل سے ہونگے جس کی مذمت احادیث کریمہ میں وارد ہے۔ علمائے متاخرین نے دونوں میں فرق یوں بیان فرمایا کہ تفسیر کا تعلق عبارۃ النص سے ہوتا ہے اور تاویل کا اشارۃ النص سے۔

ان تمام اقوال میں غور وخوض سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ قول راجح ہے جس میں تفسیر کا تعلق روایت اور تاویل کا تعلق درایت سے قرار دیا گیا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تفسیر کے معنی کشف وبیان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مراد کی وضاحت پر جزم اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ وہ معنی مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہوں۔ یا صحابہ کرام سے منقول ہوں جو نزول وحی کے پس منظر اور پیش آمدہ واقعات سے باخبر تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سفر وحضر میں موجود اور مشکل آیات کے وقت آپ کی جانب رجوع لاتے۔ یا۔ وہ تابعین عظام جو مفسرین صحابہ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں ان سے منقول ہوں۔ تاویل میں چونکہ کسی ایک معنیٔ محتمل کی ترجیح ملحوظ ہوتی ہے۔ اور ترجیح میں اجتہاد پر اعتماد، لغت عرب کی تتبع اور تلاش کے ذریعہ الفاظ کی معرفت، سیاق وسباق سے کسی معنی کی تعیین ، اور عربی اسلوب کی معرفت سے معانی کا استنباط ہوتا ہے۔ اس لئے علامہ زرکشی نے فرمایا: کہ تفسیر وتاویل کے درمیان فرق کی اصطلاح معانیِ منقولہ اور معانیِ مستنبطہ کے درمیان امتیاز کی رو سے ہے تاکہ منقول معنی پر اعتماد ہو اور مسائل مستخرجہ میں نظر وفکر سے کام لیا جائے۔

**موضوع تفسیر:**

آیات قرآنیہ اس حیثیت سے کہ ان کے مطالب ومقاصد بیان کئے جائیں۔

**غرض وغایت:**

سعادت دارین حاصل کرنا۔

ان تینوں چیزوں کی معرفت ضروری ہے، ورنہ علم تفسیر کی جانب نہ طبعی رجحان ہوسکتا ہے، نہ اس علم کا دوسرے علوم سے امتیاز، اور نفس کی توجہ بھی کسی علم کی جانب اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کا حسن وجہ تصور ہو۔

## انواع علم تفسیر:

علم تفسیر کے مختلف شعبے ہیں۔علامہ زرکشی نے اس طرح کے شعبوں اور انواع کی تعداد (۴۷) شمار کی ہے۔

مثلاً معرفت شان نزول۔معرفت مناسبت بین الآیات۔معرفت وجوہ ونظائر۔معرفت مکی ومدنی۔معرفت ناسخ ومنسوخ۔معرفت احکام۔معرفت امثال وغیرہا

اس کے بعد لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص ان انواع میں سے کسی ایک نوع کا استقصا اور احاطہ کرنا چاہے تو اس کی عمر تمام ہوجائے اور یہ خواہش پوری نہ ہو۔

لہٰذا ان تمام مباحث سے عنان قلم پھیرتے ہوئے اس مقالہ میں چند ضروری چیزوں کے بیان پر اکتفا کررہا ہوں۔

## مراحل علم تفسیر:

پہلا مرحلہ = حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر دور حاضر تک علم تفسیر مختلف مراحل سے گزرا، اور ہر مرحلہ میں سابقہ تعلیمات کو منارۂ نور اور سرچشمہ ہدایت کا درجہ حاصل رہا۔

بندوں تک دین حق پہونچانے کے لئے ہمیشہ سے سنت الٰہیہ قائم رہی کہ نبی ورسول اپنی اپنی اقوام کی زبان میں پیغام حق سنائیں۔لہٰذا وہ اپنے ساتھ کتاب لاتے تو اس کی توضیح وتفصیل بھی خود فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان مقدس ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" [ سورۃ ابراھیم ـ ٤]

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قرآن کریم لے کر آئے تو اس کی تشریح وتفسیر بھی فرمائی۔کیونکہ آپ کی طبیعت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسا رسوخ وملکہ ودیعت فرمایا تھا کہ

آپ قرآن کریم کو اجمالی اور تفصیلی دونوں اعتبار سے بخوبی جانتے تھے۔ لہٰذا موقع ومحل کے اعتبار سے بخوبی وضاحت فرماتے تھے۔ البتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کسی آیت کے ظاہری معنی ومطالب اور احکام سے من وجہ واقفیت کے ساتھ ساتھ تفصیلی معلومات اور رموز واسرار حاصل کرنے کے لئے حضور کی جانب رجوع لازم تھا۔ ورنہ مجمل ومشکل اور متشابہ آیات کا علم محض مادری زبان اور روزمرہ کی بول چال نیز معرفت لغات سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

لہٰذا صحابہ کرام نے اس سلسلہ میں شب وروز صرف فرمائے، بحث ونظر اور غور وفکر کے ذریعہ قرآنی آیات کے مطالب حاصل کئے، اور جہاں ضرورت پیش آئی فوراً حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رجوع لائے۔ اس طرح جیسے جیسے قرآن کریم نازل ہوتا جاتا صحابہ کرام بھی اس کے سمجھنے سمجھانے میں مشغول رہتے۔ تاہم اس میدان میں تمام صحابہ یکساں نہیں تھے بلکہ دوسرے علوم کی طرح مختلف المراتب۔ کہ بعض حضرات کے لئے ایک معنی ظاہر ہوتے تو دوسروں پر مخفی رہتے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ کہ لغت کا احاطہ نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ بہر حال بعض صحابہ کو فہم قرآن میں عظیم مقام حاصل تھا۔ ان میں دس صحابہ کرام کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی جو حسب ذیل ہیں۔

خلفائے اربعہ۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابوموسیٰ اشعری۔ عبداللہ بن زبیر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان میں خلفاء ثلثہ، ابوبکر صدیق اکبر، عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین سے تفسیر قرآن میں زیادہ روایات منقول نہیں۔ وجہ اس کی یہ رہی کہ ان کا وصال جلد ہوگیا اور خلافت و فتوحات کی مشغولیات نے اس کی مہلت نہیں دی۔ لہٰذا خلفائے اربعہ میں حضرت علی مرتضیٰ کثیر الروایات فی التفسیر ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت عثمان غنی کے زمانہ تک خلافت کی مشغولیات سے فارغ رہے، اور آپ کا وصال اس زمانہ میں ہوا جب تفسیر قرآن کے لئے لوگوں کو زیادہ ضرورت درپیش تھی کہ اس وقت اسلام اہل عرب سے نکل کر دوسری اقوام تک پہنچ چکا تھا۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب سے بھی باب تفسیر میں کثیر روایات منقول ہیں کہ یہ تینوں حضرات اپنے اماکن میں مرجع عوام وخواص تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس مکہ مکرمہ میں۔ حضرت ابی بن کعب مدینہ منورہ میں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ میں۔ باقی تین حضرات یعنی زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر اگرچہ تفسیر میں مشہور ہوئے مگر ان کی روایات کم ہیں۔

ان چار حضرات میں بھی روایات کی کثرت کے اعتبار سے ترتیب اس طرح سے ہے۔

(۱) عبداللہ ابن عباس، (۲) عبداللہ ابن مسعود، (۳) علی ابن ابی طالب،

(۴) ابی بن کعب،

لہذا ان حضرات اربعہ کی تفسیری خدمات کے تعلق سے کچھ معلومات مختصر سوانح کے ساتھ پیش کی جارہی ہیں۔



## حضرت عبداللہ بن عباس

آپ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف قریشی ہاشمی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازادے ہیں۔ والدہ کا نام لبابہ کبریٰ بنت حارث بن حزن ہلالیہ ہے۔ آپ کی ولادت اس وقت ہوئی جب حضور مع خاندان شعب ابی طالب مکہ مکرمہ میں محصور تھے۔ حضور کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اپنے لعاب دہن سے تحنیک فرمائی۔ یہ ہجرت سے تین سال قبل کی بات ہے۔

ہجرت کے بعد جب آپ کا ابھی بچپن ہی تھا آپ نے حضور کی صحبت اختیار کر لی اور شب وروز آپ کے ساتھ گزارے۔ ایک تو آپ خاندان کے فرد، دوسرے آپ کی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس وجہ سے آپ کو قرب وصحبت کے زیادہ مواقع ملتے رہے۔ حضور کے وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً پندرہ سال تھی۔

خود بیان کرتے ہیں کہ وصال کے بعد میں نے اپنے ہم عمر ایک انصاری صحابی سے کہا: حضور کی صحبت سے تو ہم محروم ہو گئے لہذا چلو اب اکابر صحابہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں

حاصل کریں اور اکتساب علم کریں۔

وہ بولے اے ابن عباس: یہ تو دیکھو اتنے جلیل القدر صحابہ کی موجودگی میں کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ آکر آپ سے حدیث و مسائل پوچھے۔ کہتے ہیں: میں نے ان کی بات پر کان نہ دیا اور مسلسل کوشش جاری رکھی۔ مجھے جس کے سلسلہ میں علم ہوتا کہ ان کے پاس حضور کی کوئی حدیث ہے تو میں ان کے در دولت پر پہونچتا اور حدیث سن کر یاد کر لیتا۔ بعض حضرات کے دروازہ پر پہونچ کر معلوم ہوتا کہ وہ آرام میں ہیں تو ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ ہواؤں کے تھپیڑے چلتے۔ گرد و غبار اڑ کر میرے چہرے اور کپڑوں پر اٹ جاتا، لیکن میں اسی حال میں منتظر رہتا، وہ خود باہر تشریف لاتے تو اس وقت میں اپنا مدعا بیان کرتا، وہ حضرات مجھ سے فرماتے: آپ تو خاندان نبوت کے فرد ہیں، آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں اٹھائی، ہمیں یاد کیا ہوتا ہم خود آپکے پاس پہونچتے، میں عرض کرتا: میں طالب علم ہوں، لہذا میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ آپکی خدمت میں حاضری دوں۔ بعض حضرات پوچھتے، آپ یہاں کب سے ہیں تو میں وقت بتاتا جس پر وہ برہم ہو کر فرماتے:

آپ نے اپنی آمد کی اطلاع ہمیں کیوں نہ کرادی کہ ہم فوراً آتے، میں عرض کرتا:

میرے دل نے نہ چاہا کہ میں از خود آپ کو بلاؤں اور آپ اپنی ضرورت میں ہوں۔

انکی اس جانفشانی اور عرق ریزی کا ثمرہ تھا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صغر سنی کے باوجود ممتاز علمائے صحابہ میں جگہ دیتے۔

جب آپ مرجع انام بن گئے تو وہ انصاری صحابی بہت پچھتاتے اور کہتے تھے:

کان ھذاالفتیٰ اعقل منی۔

یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند نکلا۔

آپ کا وصال ۶۸ ہجری میں ہوا اس وقت آپ کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ طائف میں تدفین ہوئی۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے دفن کے بعد کہا تھا آج حبر امت کا انتقال ہو گیا۔

## فضل و کمال

آپ کے القاب میں حبر و بحر دونوں آپ کے کثرت علم و فضل پر دال ہیں، آپ اجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور قرآن کریم کے معانی سمجھنے میں امتیازی شان حاصل تھی۔ اسی لئے آپ کو ترجمان القرآن اور رئیس المفسرین بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کے وفور علم کے پیش نظر حضرت عمر فاروق اعظم آپ کو کبار صحابہ میں جگہ دیتے۔ آپ کی رائے کی قدر کرتے اور جب مشکل فیصلے آپ کے دربار میں پیش ہوتے تو آپ سے مشورہ کرتے۔ حضرت ابن عباس خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم میرے پاس جلیل القدر بدری صحابہ کے ساتھ تشریف لاتے تھے۔ بعض حضرات کے دل میں یہ بات کھٹکی تو انہوں نے امیر المؤمنین سے عرض کیا: آپ ہمیں ان کے پاس نہ لے کر جایا کریں ان جیسے تو ہمارے بیٹے ہیں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: یہ تم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آخر کار ایک دن ان سب حضرات کو اپنے یہاں بلایا اور مجھے بھی ان کے درمیان رکھا۔ پھر سب نے "اذا جآء" کی تفسیر پوچھی۔ بعض نے کہا اس میں مدد و فتح کے بعد حمد و استغفار کا حکم ہے۔ کسی نے خاموشی اختیار کی۔ مجھ سے بھی پوچھا۔ میں نے عرض کیا: اس میں حضور کے وصال کی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذا جآء نصر الله والفتح" تو یہ آپ کے وصال کی علامت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو اور مغفرت کے طالب رہو۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: میں بھی اس کی تفسیر یہی جانتا ہوں۔ اس طرح کے واقعات آپ کی جودت طبع، قوت فکر اور علم تفسیر میں دوسروں پر فوقیت کے روشن دلائل ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے آپ کو ترجمان القرآن فرمایا۔

مشہور تابعی حضرت عطا بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس کی مجلس سے زیادہ کسی کی مجلس علم و فضل میں عظمت والی نہ دیکھی۔ قرآن کے معانی و مطالب سیکھنے ان کے پاس آتے، حدیث پڑھنے یہاں آتے، فقہ سیکھنے یہاں آتے، اور شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے بھی آپ کی مجلس میں حاضری دیتے۔

عبید اللہ بن عبداللہ بن عقبہ کہتے ہیں: میں نے ابن عباس سے زیادہ نہ کسی کو حدیث میں دیکھا اور نہ خلفاء ثلثہ کے فیصلوں کو جاننے میں۔ نہ آپ سے زیادہ اچھی سمجھ والا نظر آیا اور نہ

پختہ رائے والا۔ ایک دن علم فقہ کیلئے مجلس لگتی تو دوسرے دن علم تفسیر کی محفل منعقد ہوتی۔ پھر ایک دن سیر و مغازی پر تو دوسرے دن شعر و سخن پر گفتگو فرماتے: میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ جب بھی کوئی سوال آپ سے ہوتا تو فوراً جواب عنایت فرماتے۔ اور جب بھی کسی عالم کو آپ سے ملنا ہوتا تو وہ نہایت ہی خاکساری سے یہاں ملتے۔

حضرت ابن کیسان مشہور تابعی فرماتے ہیں: مجھ سے لوگوں نے کہا کہ تم نے اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اس بچے کی مجلس اختیار کر رکھی ہے۔ میں نے کہا: میں نے ستر صحابہ کو دیکھا جب بھی کسی امر میں فیصلہ کرتے تو ابن عباس کے قول کی طرف رجوع کرتے۔

ابو وائل کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت علی مرتضی نے آپ کو حج کا امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نور کی تفسیر کرتے ہوئے میدان عرفات میں خطبہ دیا۔ یہ ایسا خطبہ تھا کہ رومی۔ ترکی اور دیلمی سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔

حضرت علی مرتضی خود فرماتے تھے: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے وقت عالم غیب کو باریک پردوں سے دیکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی تعلیم و تعلم سے عبارت تھی۔ حضرت علی کی جانب سے بصرہ۔ کہ گورنر کی حیثیت سے کچھ دن آپ نے امارت کی مصروفیات میں گزارے، باقی پوری حیات علمی خدمات میں گزاری۔

آپ کی جانب بعض صحابہ نے بھی رجوع کیا اور تابعین کی تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کا درس لیا۔

حضرت سعید ابن جبیر کہتے ہیں: میں کوفہ سے حج بیت اللہ کے لئے پابرکاب تھا کہ ایک یہودی نے مجھ سے آ کر یہ کہا: آپ تو طلب علم ہی میں لگے رہتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے یہاں مدین میں رکھا اور بطور مہر آٹھ سال لازم اور باقی دو سال اختیاری کا وعدہ لیا۔ تو حضرت موسی نے کونسی مدت پوری فرمائی۔ یعنی آٹھ سال میں چلے آئے یا مکمل دس سال کے بعد۔ کہتے ہیں: میں نے کہا مجھے اس کا علم نہیں۔ میں حبر الامت

یعنی ابن عباس کے پاس جا رہا ہوں، واپسی پر بتاؤ نگا۔ چنانچہ میں مکہ مکرمہ آیا، آپ سے معلوم کیا تو آپ نے فرمایا دس سال کی مدت پوری فرمائی، کہ نبی جب وعدہ کرتا ہے تو پورا فرماتا ہے۔ (خواہ وہ اختیاری وعدہ ہو) ۔فرماتے ہیں میں کوفہ آیا اور اس یہودی کو وہ جواب سنایا تو بولا۔ انہوں نے سچ کہا، حضرت موسی پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں اسی طرح ہے۔ قسم بخدا یہ شخص عالم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بسا اوقات آپ کی تفسیر قرآن کو کلام الٰہی پر جرأت قرار دیتے اور تنقید فرماتے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے اس آیت کے معنی پوچھے:

"او لم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقناھما"۔

آپ نے سائل سے کہا جاؤ ابن عباس سے پوچھو اور جو وہ بتائیں مجھے بھی اس سے آگاہ کرنا، جب وہ پوچھنے آئے تو آپ نے اس کی تفسیر اس طرح فرمائی:

آسمان رتق تھا کہ بارش نہیں ہوتی تھی۔ اور زمین رتق تھی کہ کھیتی نہیں اگتی تھی، تو دونوں کا فتق بارش و نباتات کی صورت میں ہوا۔

اس شخص نے حضرت ابن عمر کو یہ سب کچھ بتایا۔ تو کہنے لگے، مجھے تو ان کی تفسیر ایک جرأت و جسارت معلوم ہوتی تھی، میں اب سمجھا کہ واقعی ان کو علم کتاب عطا ہوا ہے۔

آپ کے شاگرد حضرت مجاھد فرماتے ہیں: جب آپ کسی آیت کی تفسیر فرماتے تو نور ہی نور نظر آتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے تفسیر قرآن کے سلسلے میں بے شمار روایات منقول ہیں حتی کہ کوئی آیت ایسی نہیں جس کی تفسیر میں آپ سے متعدد اقوال منقول نہ ہوں۔ اس لئے نقادان حدیث واثر اور ائمہ فن نے ان روایات کے راویوں کی جانچ پڑتال کی۔ لہذا عدول وضعفاء کو الگ الگ شمار کیا گیا اور ان رواۃ کے عدل وضعف کے اعتبار سے آثار و مرویات کو رکھا گیا۔ یہاں چند مشہور سندیں بیان کی جارہی ہیں ساتھ ہی ان کا مقام و مرتبہ بھی بیان کیا جائیگا۔

## پہلی سند:

معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ سند آپ کی تمام سندوں میں اجود واعلیٰ شمار کی جاتی ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: مصر میں ایک مجموعہ تفسیر میں نے دیکھا جو علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس کی سند سے تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس نسخہ کا تذکرہ کیا ہے جو لیث بن سعد کے کاتب ابوصالح کے پاس تھا۔ ابوصالح نے اس کو معاویۃ بن صالح عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس ۔ کی سند سے روایات کیا ہے۔ امام بخاری بھی تعلیقات ابن عباس میں اس پر صحیح بخاری میں اعتماد کرتے ہیں۔ امام مسلم اور باقی اصحاب سنن بھی اس طریق سے احتجاج کرتے ہیں۔ ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں چند وسائط سے اس سند پر اعتماد کیا ہے۔

بعض نقاد اس طریق پر طعن بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے سماعت ہی نہیں کی، انہیں تو جو روایات ملیں وہ مجاھد اور سعید بن جبیر کے واسطہ سے ہیں ۔لہذا ان کی روایات منقطع ہوئیں۔ گولڈزیہر مستشرق نے بھی اپنی کتاب المذ اھب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن میں اس بات کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ جب مسلم ناقدین خود اس پر نقد وجرح کرتے ہیں جو تفسیر کا مصدر اول ہے تو پھر دوسروں کا حال واضح ہے۔

لیکن ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ منقطع روایت میں جب واسطہ معروف ہو اور اس کی ثقاہت مسلم تو پھر انقطاع سند سے کیا نقصا ن۔ وجہ نقد تو یہ تھی کہ جب واسطہ غیر معروف ہو تو اس کے ترک سے ایک راوی مجہول ہوگا جس سے سند میں ضعف آجائیگا اور یہاں ایسا نہیں۔ اسی لئے امام ذہبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں:

وقد روی یعنی علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس تفسیرا کثیرا ممتعا والصحیح عند ھم ان روا یتہ عن مجا ھد عن ابن عبا س ان کا ن یر سلھا عن ابن عباس فمجا ھد ثقۃ یقبل۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طریق اصح الطرق ہے اور امام بخاری جیسے ناقدین فن کی توثیق واعتماد اس پر شاھد عدل۔

دوسری سند:

قیس بن مسلم کوفی عن عطاء ابن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس۔

یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ امام فریابی اور حاکم نے اس سند سے کثیر روایات ذکر کی ہیں۔

تیسری سند:

محمد بن اسحاق صاحب سیر عن محمد بن ابی محمد مولٰی آل زید بن ثابت عن عکرمۃاو سعید بن جبیر عن ابن عباس۔

یہ سند جید وحسن ہے، ابن جریر وابن ابی حاتم اس سے بہت روایتیں لاتے ہیں اور امام طبرانی معجم کبیر میں اس طریقے سے تخریج فرماتے ہیں۔

چوتھی سند:

اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن السدی الکبیر، تارۃ عن ابی مالك، وتارۃ عن ابی صالح عن ابن عباس۔

اس سند میں وارد اسمٰعیل سدی کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ ان سے روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ تابعی شیعی ہیں۔ امام سیوطی نے فرمایا؛ سدی سے ائمہ حدیث نے رویت کی ہے جیسے امام ثوری اور امام شعبہ، لیکن ان کے مجموعہ تفسیر کو اسباط بن نصر روایت کرتے ہیں اور اسباط پر ائمہ کو اتفاق نہیں، حالانکہ تفسیر سدی امثل تقاسیر کہی جاتی ہے۔ تفسیر ابن جریر میں اس تفسیر سے بہت روایتیں ہیں جو سدی عن ابی مالك عن ابی صالح عن ابن عباس۔ کے طریق سے مذکور ہیں۔ البتہ ابن حاتم نے اس طریق سے اپنی تفسیر میں کوئی روایت ذکر نہیں کی۔ کہ انہوں نے اصح روایات کو ذکر کرنے کا التزام کیا تھا۔

## پانچویں سند

عبد الملك بن جريج عن ابن عباس

اس سند میں تدقیق سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ ابن جریج نے تمام روایات کی صحت کا التزام نہیں کیا بلکہ ہر آیت کے تحت صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات جمع کر دیں ۔ابن جریج سے ایک جماعت کثیر نے روایتیں لیں۔ ان میں ایک سند یوں ہے۔ بكر بن سهل الدمياطي عن عبد الغني بن سعيد عن موسى بن محمد عن ابن جريج عن ابن عباس ۔ اس روایت کو اطول روایت کہا جاتا ہے اور اس میں نظر ہے۔

دوسری سند یوں ہے:

محمد بن ثور عن ابن جريج عن ابن عباس

اس سند سے مروی احادیث و آثار کا مجموعہ تین ضخیم جلدوں میں تھا۔

تیسری سند اس طرح ہے:

حجاج بن محمد عن ابن جريج عن ابن عباس

یہ تفسیر ایک جلد میں تھی اور صحیح متفق علیہ۔

## چھٹی سند:

الضحاك بن مزاحم الهلالي عن ابن عباس ۔

اس سند کو غیر مرضی قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر چہ بعض لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے لیکن بعض نے اس کو منقطع مان کر ضعیف قرار دے دیا۔ کیونکہ ضحاک کی ابن عباس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اور اگر اس سند کو بشر بن عمارة عن ابی روق عن الضحاك ، کے طریق سے لیا جائے تو بلاشبہ یہ ضعیف ہوگی کہ بشر بن عمارہ ضعیف ہیں حالانکہ ابن جریج اور ابن ابی حاتم نے اس طرح کی کثیر روایات ذکر کی ہیں۔ اور اگر اس طریق کو زبیر عن الضحاك کے طور پر ذکر کیا جائے تو پھر ضعف اور شدید ہو جائیگا کہ زبیر میں ضعف شدید ہے۔ کیونکہ ان کو متروک کہا گیا ہے۔ ایسی سند سے ابن جریر وابن ابی حاتم روایات نہیں لاتے البتہ ابن مردویہ اور

ابوشیخ بن حبان ایسی روایتیں ذکر کرتے ہیں۔

## ساتویں سند:

عطية العوفی عن ابن عباس ۔

اس سند کو بھی غیر مرضی کہا گیا ہے کہ عطیہ ضعیف ہیں لیکن امام ترمذی بسا اوقات ان کی روایت کو حسن قرار دیتے ہیں اور اس طریق سے ابن ابی جریر اور ابن ابی حاتم بہت رویتیں لاتے ہیں۔

## آٹھویں سند:

مقاتل بن سليمان الازدی الخراسانی عن مجاهد او عن الضحاك عن ابن عباس۔

مقاتل کے بارے میں امام شافعی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بعد کے تمام لوگ مقاتل ابن سلیمان کے علم تفسیر میں تابع و پیروکار ہیں۔ حالانکہ دیگر محدثین ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ مجاھد اور ضحاک سے روایت کرتے ہیں جبکہ دونوں میں سے کسی سے ان کو سماع نہیں۔ بعض نے کذاب کہا، تجسیم و تشبیہ کا عقیدہ بھی ان کی نسبت سے مشہور رہا۔ لہذا کسی نے اس کی توثیق بھی نہیں کی۔

امام سیوطی نے کہا کہ مقاتل پر کلبی کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ مقاتل میں مذھبی کمزوریاں تھیں۔ امام وکیع سے مقاتل کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس کی تفسیر نہ دیکھو۔ سائل نے کہا پھر کیا کریں، فرمایا اس کی تفسیر کو دفن کردو۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: مجھے یہ پسند نہیں کہ میں مقاتل سے کوئی روایت ذکر کروں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس نے مقاتل کی تفسیر کو مستحسن قرار دیا وہ خود بھی ضعیف کہتے اور استحسان کا مطلب بتاتے کہ ان کی تفسیر بہت عمدہ ہوتی اگر یہ ثقہ ہوتے۔

## نویں سند:

محمد ابن سائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس۔

اس کو تمام سندوں میں کمزور ترین سند قرار دیا گیا ہے حالانکہ کلبی تفسیر میں مشہور ہیں کسی کی تفسیر نہ ان سے زیادہ مطول ہے اور نہ ان سے زیادہ شائع۔

ان تمام چیزوں کے باوجود اگر کوئی کہے کہ ان کی تفسیر سے ائمہ راضی ہیں تو یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بعض کے نزدیک ان کے غیر ثقہ اور متروک ہونے پر اجماع قائم ہے۔لہذا ان کی حدیث نہ لکھی جائے اور بعض نے تو ان کو متہم بالوضع قرار دیا ہے۔کلبی سے روایت کرنے والوں میں محمد بن مروان السدی الصغیر بھی ہے جس کے بارے میں یہ منقول ہے کہ یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ذاھب الحدیث اور متروک تھا۔

نیز امام سیوطی نے درمنثور میں فرمایا: کلبی متہم بالکذب ہے۔اس نے خود اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے تمہارے لئے جو کچھ ابو صالح سے روایت کیا وہ جھوٹ ہے۔پھر یہ کہ کلبی سے روایت کرنے والے تفسیر میں یا تو اسی کے مثل ضعیف متہم بالکذب ہیں یا اور زیادہ ضعف ان میں پایا جاتا ہے۔جیسے محمد بن مروان سدی صغیر۔ثعلبی وواحدی نے اپنی تفاسیر میں ایسی بہت روایتیں بیان کی ہیں۔

یہ نو طرق حضرت ابن عباس سے مشہور ہیں، ان میں جو خوبیاں اور خامیاں تھیں وہ بیان ہوئیں۔اور ہر سند کا مقام ومرتبہ بھی معلوم ہو گیا کہ کس پر اعتماد کیا جائے اور کس پر نہیں۔

حضرت ابن عباس کی طرف ایک تفسیر تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس کے نام سے مشہور ہے، اس کو ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی صاحب قاموس المحیط نے جمع کیا ہے ، اس کی تمام روایتیں محمد بن مروان سدی صغیر اور محمد بن سائب کلبی کے گرد گھومتی ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اس تفسیر کا کیا مقام ہو سکتا ہے۔امام شافعی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ابن عباس سے تفسیر میں سو احادیث سے زیادہ نہیں ثابت ہو سکیں۔اگر امام شافعی کا یہ قول ثابت وصحیح مان لیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ اس تفسیر میں واضعین نے کس جرأت ودلیری سے کام لیا ہے۔اور خود تفسیری اقوال میں تناقض سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔بہر حال اس کی علمی وفنی قدر و منزلت تو اپنی جگہ اکثر مقامات پر واضح ہے ہاں روایتی انداز اور حضرت ابن عباس کی جانب نسبت ضرور

مخدوش ہے۔

# حضرت عبداللہ ابن مسعود

آپ عبداللہ بن مسعود بن غافل ہیں۔ نسب مضر بن کنانہ تک پہونچتا ہے اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، قبیلہ ھذیل سے ہیں، والدہ ام عبد بنت عبدود ہیں اور یہ بھی قبیلہ ھذیل کی خاتون تھیں۔ آپ کی نسبت کبھی والد کی طرف ہوتی ہے تو ابن مسعود کہے جاتے ہیں اور کبھی والدہ کی جانب تو ابن ام عبد کہلاتے ہیں۔ پتلے دبلے گٹھے قد کے آدمی تھے، قدیم الاسلام ہیں۔ خود کہتے ہیں میں چھٹا مسلمان ہوں جب روئے زمیں پر ہمارے علاوہ کوئی اسلام نہ لایا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مکہ میں قرآن کریم بلند آواز سے قریش پر آپ ہی نے پیش فرمایا۔ اس پر اہل مکہ نے آپ کو اذیتیں بھی دیں۔

آپ جب اسلام لائے تو حضور نے آپ کو اپنی خدمت میں رکھا، اکثر حالات میں آپ ہی خدمت کرتے، وضو و غسل کا پانی، مسواک اور نعلین پاک آپ ہی خدمت میں پیش کرتے۔ جب حضور کہیں تشریف لے جاتے تو نعلین پاک پہناتے، جب کسی مقام پر قیام فرماتے تو نعلین پاک اپنی آستین میں رکھتے، چلتے وقت آگے آگے رہتے، غسل فرماتے تو پردہ کرتے۔ آرام فرماتے تو ضرورت کے اوقات آپ ہی بیدار کرتے، اور کاشانۂ نبوت میں بغیر حجاب داخل ہوتے۔ اسی لئے حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بھائی کے ساتھ یمن سے آیا تو ایک زمانہ تک ہم نے یہ سمجھا کہ آپ اور آپ کی والدہ اہل بیت نبوت سے ہیں کہ ہم ان دونوں کو اکثر و بیشتر حضور کے حرم محترم میں بے روک ٹوک آتے جاتے دیکھتے تھے پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھی۔

بدر، احد، خندق، بیعت رضوان اور تمام مشاھد میں حضور کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں ابوجہل کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ حضور نے آپ کو جنت کی بشارت اور آپ کی فضیلت اور علو منزلت کی گواہی دی۔ فرماتے ہیں: اگر مؤمنین کے سوا مجھے کسی شخص خاص سے مشورہ کا حکم

ملتا تو وہ ابن ام عبد ہوتے۔

خلافت فاروقی وعثمانی میں آپ کو کوفہ کے بیت المال کا والی بنایا تھا۔آخری عمر میں مدینہ شریف کو مسکن بنایا اور ۳۲ ہجری میں وصال ہوا۔وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کو تدفین عمل میں آئی۔وصال کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔

## علم وفضل

آپ صحابہ کرام میں کتاب اللہ کے بڑے حافظ تھے۔خود حضور آپ سے قرآن کریم پڑھوا کر سنتے اور پسند فرماتے۔ایک مرتبہ فرمایا: اے ابن مسعود مجھے قرآن سے سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ، ابن مسعود فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیک وسلم میں آپکو سناؤں حالانکہ قرآن تو خود آپ پر نازل ہوا ہے۔فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ دوسروں سے بھی سنوں۔کہتے ہیں: میں نے جب تلاوت شروع کی اور فكيف اذا جئنا۔پر پہونچا تو حضور کی آنکھیں بہہ نکلیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس شخص کو پسند ہو کہ وہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم اسی طرح پڑھے جیسا کہ نازل ہوا تو چاہیئے کہ وہ ابن ام عبد کی قرأت کے مطابق پڑھے۔

حضرت امام مسروق فرماتے تھے: صحابہ کرام کا علم چھ حضرات میں سمٹ آیا تھا، عمر فاروق اعظم، علی مرتضی، عبد اللہ ابن مسعود، ابی بن کعب، ابو درداء، زید بن ثابت۔ پھر ان چھ کا دو حضرات میں، یعنی علی مرتضی اور عبد اللہ بن مسعود میں رضی اللہ تعالی عنہما۔

حضرت حذیفہ بن یمان سے کہا گیا: ہمیں اس شخص کے بارے میں بتائیں جو چال ڈھال میں حضور کے مشابہ ہوتا کہ ہم ان کی سیرت اپنائیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں۔تو آپ نے فرمایا: ہم عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ کسی کو نہیں جانتے۔

حضرت عمر فاروق اعظم نے جب آپ کو کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا، میں عمار بن یاسر کو

امیر بنا کر بھیج رہا ہوں اور عبداللہ بن مسعود کو معلم و وزیر، یہ دونوں بدری صحابہ کرام کے اشراف میں ہیں۔ لہذا ان کا اتباع کرنا اور فرمانبرداری کرنا۔ اور عبداللہ بن مسعود کو خاص طور پر تمھارے پاس بھیج کر میں نے اپنے اوپر تم کو ترجیح دی ہے۔ لہذا آپ کوفہ میں اقامت پذیر رہے اور اہل کوفہ آپ سے علم حدیث، تفسیر اور فقہ حاصل کرتے تھے۔ آپ ان کے معلم تھے اور قاضی بھی؛ اور طریقۂ اجتہاد کے مؤسس و بانی۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضی جب کوفہ تشریف لائے تو بعض اہل کوفہ نے حاضر ہو کر کہا تھا: اے امیر المومنین ہم نے ابن مسعود سے بڑھ کر نہ کسی کو پرہیز گار پایا، نہ ان سے اچھی کسی کی مجلس دیکھی، نہ ان جیسا مہربان کوئی معلم دیکھا اور نہ حسن خلق میں کسی کو ان کا ہم پلہ۔ حضرت علی مرتضی نے فرمایا: میں تم سے حلف لے کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم اپنے صدق دل سے یہ بات کہہ رہے ہو۔ بولے: ہاں۔ اس پر آپ نے کہا: اے اللہ! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میرے نزدیک بھی ابن مسعود ایسے ہی ہیں بلکہ اس سے بھی افضل۔

ان شہادتوں سے آپ کا علم و فضل ظاہر اور صحابہ کرام میں آپ کی قدر و منزلت عیاں ہے۔ ”و ذلك فضل الله يو تيه من يشاء من فضل عبا ده“۔

## علم تفسیر میں آپ کا مقام

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

ہم میں سے جب کوئی دس آیات سیکھ لیتا تو ان سے آگے اس وقت تک نہیں بڑھتا تھا جب تک ان کی معانی و مطالب نہ جان لیتا اور ان پر عمل پیرا نہ ہو جاتا۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت ابن مسعود فہم معانی کتاب کے کتنے گرویدہ تھے اور آپ کو معانی قرآن میں کتنا درک حاصل تھا۔

خود فرماتے ہیں: قسم بخدا ہر آیت کے بارے میں مجھے علم ہے کہ کس سلسلے میں نازل ہوئی۔ اور اگر مجھے علم ہوتا کہ فلاں مجھ سے کسی آیت کو زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں اپنی سواری کے ذریعہ پہونچ سکتا ہوں تو ضرور پہونچتا۔

اس قول سے اس بات پر دلالت واضح ہے کہ آپ نے معانی قرآن اور آیات کے شان نزول آیات کا احاطہ فرمالیا تھا۔

حضرت مسروق کہتے ہیں: حضرت ابن مسعود ہم پر کوئی سورۃ تلاوت فرماتے۔ پھر اسی سے متعلق احادیث بیان کرتے اور پورے دن اسی کی تفسیر بیان فرماتے۔

ایک مجلس میں حاضرین نے حضرت علی مرتضی سے عرض کیا: ہمیں ابن مسعود کے سلسلہ میں کچھ بتائیں۔ تو آپ نے فرمایا: علم قرآن وسنت ان پر منتہی ہوگیا، ان کی جلالت علمی کے سلسلے میں اتنا جملہ ہی بہت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں: میں ابن مسعود سے زیادہ کسی کو قرآن کا عالم نہیں جانتا۔ یہ سن کر حضرت ابوموسی اشعری نے فرمایا: یہ سچ ہے۔ کیونکہ وہ حضور کا کلام اقدس اس وقت بھی سنتے جب ہم نہیں سن پاتے، اور وہاں سنتے جہاں ہم نہیں پہونچ پاتے (یعنی کاشانہ نبوت میں بے روک ٹوک جاتے تھے)

خود فرماتے ہیں: میں نے حضور سے بالمشافہ ستر سورتوں کا علم حاصل کیا۔ یہ اور ان کے علاوہ دوسرے اقوال حضرت ابن مسعود کی علم تفسیر کی بھرپور شہادت دیتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود صحابہ کرام کے درمیان قرآن کریم کے عظیم عالم تھے اور اس کے محکم اور متشابہ، حلال وحرام، قصص وامثال اور اسباب نزول کی زیادہ معرفت رکھتے تھے، دین کے فقیہ، سنت کے عالم اور قرآن میں بصیرت تامہ رکھتے تھے۔

**طرق روایات:** آپ کی تفسیر قرآن سے متعلق روایات حضرت ابن عباس کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔

امام سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں: آپ کی روایات حضرت علی مرتضی کی مرویات سے زیادہ ہیں۔

اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ آپ کے علم تفسیر کو اہل کوفہ نے زیادہ حاصل کیا، کیونکہ آپ کا قیام ایک زمانہ تک کوفہ میں تھا۔ لہذا اہل کوفہ آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور علم حاصل کرتے

اور دوسروں تک پہونچاتے۔ان میں مسروق بن اجدع ہمدانی، علقمہ بن قیس نخعی، اسود بن یزید وغیرہم سرفہرست ہیں جنہوں نے بلا واسطہ شرف تلمذ حاصل کیا۔ان کے علاوہ بھی بہت سی سندوں سے آپ کی مرویات منظر عام پر آئیں جو کتب تفسیر واحادیث میں ثبت ہیں۔ان میں بعض طرق وہ ہیں جن پر اعتماد کلی حاصل ہے اور بعض پر ناقدین فن نے جرح اور نقد بھی کی ہے۔آپ سے منقول مشہور طرق یہ ہیں:

## پہلی سند

اعمش عن ابی الضحی عن مسروق عن ابن مسعود۔

یہ سند اصح طرق کہلاتی ہے۔

## دوسری سند

مجاھد عن ابی معمر عن ابن مسعود۔

یہ سند بھی صحیح ہے اور ضعف کا اس میں شائبہ نہیں۔

## تیسری سند

اعمش عن ابی وائل عن ابن مسعود۔

یہ بھی صحیح سند ہے۔

## چوتھی سند

اسمعیل بن عبد الرحمن السدی الکبیر عن مرۃ الھمدانی عن ابن مسعود۔

اس سند سے حاکم مستدرک میں روایتیں لاتے ہیں اور ان کی تصحیح فرماتے ہیں۔ابن جریر نے بھی بہت روایتیں اس سند سے ذکر کی ہیں۔بہر حال سدی کبیر کا مقام پہلے ہی معلوم ہو چکا۔

## پانچویں سند

ابی روق عن الضحاک عن ابن مسعود۔

ابن جریر نے اس سند سے تخریج روایات کی ہے۔لیکن ناقدین نے اس کو غیر مرضی سند قرار دیا کہ ضحاک نے ابن مسعود سے ملاقات نہیں کی۔لہذا یہ سند منقطع ہوئی۔

# حضرت علی بن ابی طالب

آپ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب قریشی ہاشمی ہیں۔کنیت ابو الحسن، حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچازادے اور داماد اور اہل بیت میں داخل ہیں۔خلفائے راشدین میں خلیفہ رابع ہیں۔

بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تمام مشاھد وغزوات میں شریک رہے، البتہ غزوۂ تبوک میں حضور نے اہل بیت پر اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا، لہذا آپ مدینہ ہی میں رہے۔باقی غزوات میں آپ کی جواں مردی و بہادری مشہور ہے اور جنگ خیبر کے موقع پر تو خود حضور نے ارشاد فرمایا تھا: کہ کل میں اسلامی جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالی خیبر فتح فرمادے گا۔وہ اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔اور پھر وہ جھنڈا حضور نے آپ کو عطا فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو آپ نے انصار ومھاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا، یعنی دو دو حضرات کو آپس میں بھائی بھائی بنایا۔تو حضرت علی سے فرمایا: تم دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہو۔آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔آپ ایسے بہت سے فضائل کے جامع تھے جو دوسرے حضرات میں نہیں تھے۔دین میں احتیاط، دنیا سے بے رغبتی، قرابت رسول ورشتہ دامادی، علم کثیر وفضل بے پایاں کے آپ حامل تھے۔آپ کا وصال ۲۱، رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو ہوا۔ابن ملجم خارجی نے جامع کوفہ میں عین حالت نماز میں آپ پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں آپ شہید ہوے۔عمر مبارک بوقت شہادت ۶۳ سال تھی۔

## علم وفضل

آپ علوم ومعارف کے بحر بیکراں تھے، اجتہاد واستنباط میں ملکہ حاصل تھا۔فصاحت و

خطابت اور شعر و سخن سے حظ وافر ملا تھا۔

فیصلوں کے وقت عقل کی پختگی اور خفیہ رازوں کو جاننے میں بے مثال بصیرت کا مظاہرہ فرماتے۔ صحابہ کرام پوشیدہ حقائق کو سمجھنے اور مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے آپ کی جناب میں رجوع لاتے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور اس طرح دعا سے نوازا۔ اللھم ثبت لسانه واهد قلبه۔ چنانچہ آپ اس دعا کا مظہر کامل بن کر مشکل سے مشکل مسائل کے نہایت ہی درست فیصلے فرماتے، یہاں تک آپ ضرب المثل بن گئے، کسی نے کہا۔ قضية ولا ابا حسن لها۔ اور اس میں تعجب بھی کیا۔ آپ کی تربیت تو کاشانہ نبوت میں ہوئی تھی، معارف نبوت سے غذا پائی اور مشکاۃ نبوت کے انوار و تجلیات سے دل و دماغ منور رہا۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں: ہمارے درمیان اس بات کا چرچا رہتا تھا کہ مدینہ شریف میں سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والے حضرت علی ہیں۔

حضرت عطا بن ابی رباح سے کہا گیا: کیا صحابہ کرام میں حضرت علی سے بڑا کوئی اور عالم بھی تھا۔ تو بولے، قسم بخدا میں کسی کو نہیں جانتا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: جب حضرت علی کی جانب سے ہمیں کوئی چیز طے شدہ مل جاتی تو پھر ہم کسی دوسرے کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔

## علم تفسیر میں آپ کا مقام

آپ کے فتاوی اور فیصلوں سے آپ کا علم قرآن اور اسرار خفیہ کی سمجھ واضح و عیاں ہے۔ صحابہ میں شان نزول اور تاویل و تفسیر کو زیادہ جاننے والے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: میں نے علم تفسیر جو بھی حاصل کیا وہ آپ سے حاصل کیا۔ حضرت علی مرتضی کا یہ فرمان بھی ہے: قسم بخدا۔ جو آیت نازل ہوئی تو میں نے اس کے بارے میں یہ ضرور جانا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابو الطفیل فرماتے ہیں: میں نے آپ کو ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ

فرمارہے تھے مجھ سے سوال کرو، قسم بخدا! جس چیز کے بارے میں تم مجھ سے سوال کروگے میں اس کا جواب دوں گا۔ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھو، خدا! کی قسم میں اس کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں، ہموارز میں پر نازل ہوئی یا پہاڑوں پر۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: قرآن سات حرف پر نازل ہوا۔ اور ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجھہ الکریم ہر ایک کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور دیگر آثار بھی ہیں جو آپ کی مفسرانہ شان کی گوہی دیتے ہیں۔

## مرویات کا مقام و مرتبہ

اس میں شک نہیں کہ آپ سے تفسیر وغیرہ میں بے شمار احادیث مروی ہیں لیکن محدثین میں ائمہ جرح وتعدیل نے بحث و تحقیق کے ذریعہ صحیح روایات کو ضعیف و موضوع سے ممتاز کرنے میں کافی جدوجہد کی ہے۔

لہذا باب تفسیر میں آپ کی مرویات کی تعداد موضوع روایات کے مقابلے میں قلیل ہی ثابت ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلاۃ شیعہ نے آپ سے غلو محبت میں بہت سی احادیث آپ کی طرف غلط منسوب کر ڈالیں جن سے وہ اپنے مذہب کو رواج دینا چاہتے تھے۔ اس طرح گویا ان لوگوں نے آپ کے علم کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دیا۔ لہذا اب محدثین ان روایات کو صحیح مانتے ہیں جو یا تو آپ کے اہل بیت سے ثابت ہوں یا حضرت ابن مسعود کے تلامذہ کی سند سے منقول ہوں۔ جیسے عبیدہ، سلمان اور شریح وغیرہ۔ آپ کی مرویات کی اہم اسناد یہ ہیں۔

### پہلی سند

ھشام عن محمد بن سیر بن عن عبیدۃ السلمانی عن علی۔

یہ سند صحیح ہے اور امام بخاری وغیرہ اس کے ذریعہ احادیث بیان فرماتے ہیں۔

### دوسری سند

ابن ابی الحسین عن ابی الطفیل عن علی۔

یہ سند بھی صحیح ہے، ابن عیینہ نے اپنی تفسیر میں اس سے احادیث بیان کی ہیں۔

### تیسری سند

الزہری عن علی زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی۔

یہ سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے حتیٰ کہ بعض نے تو اس کو مطلقاً اصح الاسانید شمار کیا، لیکن یہ سند زیادہ مشہور نہیں ہوئی، کہ ضعفاء و کذاب راوی بعد میں امام زین العابدین کی جانب غلط و باطل روایات منسوب کرنے لگے تھے۔

## حضرت ابی بن کعب

آپ ابی بن کعب بن قیس انصاری خزرجی ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو المنذر اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو الطفیل رکھی۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک رہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی۔ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو سید المسلمین کا لقب عطا فرمایا۔ آپ کے زمانہ وصال کے بارے میں اختلاف ہے بقول اکثر آپ کا وصال خلافت فاروقی میں ہوا۔

### علم و فضل

آپ سید القراء کے لقب سے مشہور تھے اور کاتبان وحی میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:

ابی بن کعب صحابہ میں سب سے اچھے قاری ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: بیشک مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے

کہ میں تمہیں قرآن کریم کی سورۂ مبارکہ "لم یکن الذین کفروا" پڑھ کر سناؤں۔ اس پر حضرت ابی نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا اللہ تعالی نے میرا نام لے کر آپ سے فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: ہاں، یہ سن کر آپ رونے لگے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابی سے کہا گیا: کیا آپ کو اس مژدہ سے سرور و فرحت حاصل ہوئی: فرمایا: میں کیوں نہ خوش ہوتا جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ "قل بفضل اللہ و برحمتہ فلیفرحوا"

امام شعبی حضرت امام مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین میں چھ حضرات اصحاب قضاء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسی اشعری،

## علم تفسیر میں مقام

آپ کتاب اللہ کے عظیم عالم اور صحابہ میں سب سے زیادہ معانی قرآن کو جاننے والے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ علماء یہود میں ایک متبحر عالم تھے اور کتب سابقہ سماویہ کے رموز و اسرار سے واقف تھے۔ ساتھ ہی آپ کاتبان وحی میں بھی شمار ہوتے تھے۔ لہذا اسباب نزول اور مقامات نزول کا آپ کو علم ہونا بدیہی بات تھی۔ چنانچہ آپ کو آیات و سور کی تقدیم و تاخیر اور ناسخ و منسوخ کا علم حاصل رہا۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جب آپ کے سامنے کوئی مشکل آیت آتی ہوگی تو آپ اس کو ضرور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہوں گے۔ تفسیری روایات میں انہیں وجوہ کے پیش نظر آپ کو مکثرین صحابہ میں شمار کیا گیا اور آپ سے منقول صحیح اور حسن روایات کی تعداد کثیر ہے۔

## تفسیری روایات

آپ کی تفسیری روایات کی طرق بھی متعدد ہیں۔ اصحاب جرح و تعدیل نے ان کی چھان بین کی ہے اور موضوع روایات کو ممتاز کر دیا ہے۔ مشہور اسناد یہ ہیں:

## پہلی سند

ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیہ عن ابی بن کعب ۔

یہ سند صحیح ہے اور آپ سے ایک بڑا حصہ تفسیر میں وارد ہے۔ اس سند میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم بہت روایت کرتے ہیں۔ نیز امام حاکم نے مستدرک اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہیں۔

## دوسری سند

وکیع عن سفیان عن عبداللہ بن محمد بن عقیل عن الطفیل بن ابی بن کعب عن ابیہ ۔

اس سند سے مسند امام احمد میں روایتیں ہیں۔ یہ سند حسن ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن محمد بن عقیل اگرچہ صدوق ہیں لیکن ان کے حفظ وضبط میں محدثین کو کلام ہے۔

امام ترمذی نے سنن میں اس کی وضاحت فرمائی اور کہا میں نے امام محمد بخاری کو کہتے سنا کہ امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن ابراہیم اور حمیدی عبداللہ بن محمد بن عقیل کی حدیث سے سند پکڑتے تھے۔ نیز امام بخاری خود ان کو مقارب الحدیث کہتے ہیں اور حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد میں ان کی حدیث حسن ہونے کی صراحت کی ہے۔

## تفسیر میں صحابہ کرام کا مقام

امام حاکم نے کہا: امام بخاری و امام مسلم کے نزدیک صحابہ کرام میں جو شاہد وحی تھے ان کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ لیکن امام ابن صلاح اور امام نووی وغیرھما نے کہا: کہ ایسی روایات جن کا تعلق شان نزول سے ہو، یا جن میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو وہ حکماً مرفوع ہیں باقی سب موقوف۔

جیسے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان:

کانت الیھود تقول : من اتی امرأتہ دبرھا فی قبلھا جاء الولد احول۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی "نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم

انی شئتم' (سورۃ البقرہ ۲۲۳)

ان کے علاوہ صحابہ کرام کی تمام تفاسیر جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہوں وہ سب موقوف ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابی کی تفسیر حدیث مرفوع کی حکم میں اس وقت ہے جبکہ وہ شان نزول سے متعلق ہو۔اور وہ تفسیر جس میں رائے کو دخل نہ ہو۔البتہ جس میں قیاس اور رائے کو دخل ہو وہ حدیث موقوف ہے جب تک اس کی نسبت حضور کی جانب نہ ہو۔نیز جس تفسیر کو حکما مرفوع قرار دیا جا چکا اس کو رد کرنا جائز نہیں بلکہ مفسر پر لازم ہے کہ اس کو قبول کرے۔البتہ جو موقوف ہو اس میں علما مختلف ہیں۔

ایک جماعت کے نزدیک صحابہ کی تفسیر موقوف کو قبول کرنا لازم نہیں کیونکہ اس کا رفع حضور تک ثابت نہیں،تو وہ صحابی کا اجتہاد ہوگا،اور مجتہد کے لئے خطا اور صواب دونوں ممکن کہ اجتہاد کے سلسلہ میں صحابہ دوسرے مجتہدین کے مثل ہیں۔

دوسری جماعت کہتی ہے: کہ ان کے ان اقوال کی جانب رجوع لازم ہے۔کیونکہ اس بات کا ظن موجود ہے کہ انھوں نے یہ چیزیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سماعت کی ہوں۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ اپنی رائے سے تفسیر کریں تو ان کی رائے دوسروں کے مقابل زیادہ درست ہوگی کہ وہ کتاب اللہ کے زیادہ جاننے والے تھے۔کیونکہ وہ اہل لسان بھی تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صحبت کی بدولت معانی قرآن زیادہ سمجھنے والے،احوال و قرائن کے مشاہدہ فرمانے والے،علم صحیح اور تام واکمل سمجھنے والے،بالخصوص اکابر صحابہ جیسے ائمہ اربعہ،عبداللہ بن مسعود،ابی بن کعب،اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ تعالی عنھم۔

امام زرکشی فرماتے ہیں: قرآنی آیات دو قسم پر ہیں۔

قسم اول: وہ آیات جن کی تفسیر نقل سے وارد۔

قسم دوم: وہ آیات جن کی تفسیر نقل سے وارد نہ ہو۔

قسم اول کی صورت میں تفسیر یا تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے منقول ہوگی یا

صحابہ واکابر تابعین سے۔ تفسیر اول کے سلسلہ میں سند کی صحت وعدم سے بحث ہوگی۔ اور تفسیر صحابہ وتابعین میں دیکھا جائیگا کہ انھوں نے باعتبار لغت وزبان تفسیر کی ہے، تو اس پر اعتماد میں شک نہیں، یا باعتبار اسباب وقرائن پھر بھی قبول کرنا ضروری ہے۔

## اس دور کی خصوصیت

اس دور میں مکمل قرآن کریم کی تفسیر نہ ہوئی۔ کیونکہ جن مقامات پر ابہام و پوشیدگی تھی انہیں کی تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔

فہم معنی قرآن میں اس دور میں اختلاف بھی کم تھا۔ اکثر و بیشتر اجمالی معنی پر اکتفا فرماتے اور تفسیری معنی کے درپے نہیں رہتے۔ لہٰذا "وفاکھۃ وابا" جیسی آیات کے سلسلہ میں اتنا ہی کافی سمجھتے تھے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کو شمار فرمایا ہے۔

دوسرا مرحلہ۔

دوسرا مرحلہ تابعین کا دور ہے۔ اس زمانہ میں مفسرین صحابہ کے تلامذہ نے اس علم کو خوب وسعت دی۔ جس طرح بعض صحابہ اس فن میں مشہور ہوئے اسی طرح بعض تابعین نے بھی خاص طور پر اس علم میں شہرت پائی۔ علم تفسیر میں مباحث جلیلہ پیش فرمائے اور اپنے معاصرین وتلامذہ کے لئے پوشیدہ معنی کی خوب خوب توضیح فرمائی۔

ان مفسرین تابعین عظام نے قرآن کی تفسیر قرآن سے بھی کی۔ اور احادیث رسول سے بھی۔ اور ان آثار صحابہ سے بھی جو انہوں نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں فرمائے تھے۔ ساتھ ہی اہل کتاب کی کتب سماویہ سے بھی مدد لی۔ اور پھر اپنے اجتہاد واستنباط اور نظر وفکر سے بھی کام لیا۔ تفسیر کی کتابوں میں تابعین عظام کے ایسے اقوال کثیر تعداد میں موجود ہیں جو انھوں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے بیان فرمائے۔ لیکن یہ انہیں مقامات پر جہاں اول الذکر امور یعنی حدیث رسول اور آثار صحابہ ان کو نہ مل سکے۔

آپ پڑھ چکے کہ احادیث وآثار سے قرآن کریم کی مکمل تفسیر معرض وجود میں نہیں آئی تھی، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا مزید آیات کی تفسیر کی ضرورت پیش آتی رہی حتیٰ کہ تابعین

عظام نے اس کام کو مکمل فرمادیا۔

اس کام کی تکمیل کے لئے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، اور حضرت ابی بن کعب کے تلامذہ نے حصہ لیا۔ان تینوں حضرات کے خوان کرم سے فیض پانے والے حضرات کا اجمالی تعارف کچھ اس طرح ہے جنہوں نے تین مشہور مدارس سے علم تفسیر حاصل کیا۔

## مکہ مکرمہ میں علم تفسیر کا مدرسہ

حضرت عبداللہ بن عباس نے مکہ مکرمہ میں علم تفسیر کا مدرسہ قائم فرمایا۔آپ اپنے تلامذہ کے لئے قرآن کی تفسیر بیان فرماتے اور مشکل معنی کی وضاحت کرتے۔ ان کے تلامذہ یعنی تابعین اپنے اساتذہ کے اقوال کی توجیہات کرتے اور بعد والوں کے لئے ان آثار کو روایت فرماتے۔آپ کے تلامذہ میں مکہ مکرمہ کے اس مدرسہ سے جن حضرات کو خاص شہرت ملی وہ یہ ہیں

سعید بن جبیر۔مجاھد بن جبر۔عکرمہ مولی ابن عباس۔طاؤس بن کیسان یمانی۔عطا بن ابی رباح۔رضی اللہ تعالی عنہم۔

یہ تمام حضرات موالی سے تعلق رکھنے والے نفوس قدسیہ تھے، ان میں بھی سب روایت و درایت میں یکساں نہیں تھے بلکہ مختلف المراتب۔

چنانچہ مختصراً ہر ایک کا فن تفسیر میں مقام و مرتبہ اور ان کی روایات پر اعتماد کی حیثیت ملاحظہ فرمائیں۔

## حضرت سعید بن جبیر

آپکی کنیت ابوعبداللہ یا ابومحمد ہے۔سعید بن جبیر بن ھشام اسدی والبی ہیں۔

آپ حبشی نژاد تھے، رنگ سیاہ لیکن روشن خصائل کے حامل تھے۔ائمہ صحابہ کی ایک جماعت سے آپ نے سماعت حدیث کی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے بالعموم روایت کرتے ہیں۔

## مقام ومرتبہ

آپ کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے۔اور تفسیر وحدیث وفقہ میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔حضرت ابن عباس سے علم قرأت حاصل کیا اور تفسیر کی سماعت کی۔آپ کی اکثر روایات انہیں سے ہیں،آپ نے صحابہ کرام کی قرأت ثابتہ کو محفوظ فرمالیا تھا۔چنانچہ اسمٰعیل بن عبدالملک سے روایت ہے کہ حضرت سعید ماہ رمضان میں ہماری امامت فرماتے تو ایک شب ابن مسعود کی قرأت کرتے،اور ایک رات زید بن ثابت کی،اور پھر کسی دوسری قرأت پر پڑھتے۔اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا۔

بلاشبہ اس سے آپ کی معانی قرآن اور اس کے رموز واسرار سے واقفیت اور مہارت تامہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ان تمام چیزوں کے باوجود آپ تفسیر بالرائے سے مکمل اجتناب فرماتے۔ آپ تابعین کے علم کے عالم تھے۔

خصیف کہتے ہیں: تابعین میں سعید ابن مسیب مسائل طلاق کے عالم تھے،اور عطا مسائل حج کے،طاؤس علم حلال وحرام میں مہارت رکھتے تھے اور مجاھد علم تفسیر میں۔لیکن سعید بن جبیر ان سب کے جامع تھے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس آپ کے علم پر اعتماد فرماتے اور کوئی استفتا لے کر آتا تو آپکے پاس بھیج دیتے تھے۔

اہل کوفہ جب آپ کے پاس کوئی سوال لے کر آتے تو آپ فرماتے: کیا تمہارے پاس ابن ام دھم یعنی سعید نہیں ہے۔

عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سعید ابن جبیر کے انتقال کے زمانے میں روئے زمیں پر ہر ایک آپ کے علم کا محتاج تھا۔

علمائے جرح وتعدیل آپ کی توثیق کرتے ہیں۔ابوالقاسم طبرانی نے کہا: آپ ثقہ، حجۃ اور امام المسلمین ہیں۔ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا،اور کہا آپ فاضل متقی ہیں،ائمہ محدثین میں اصحاب ستہ آپ کی جلالت شان پر متفق ہیں۔

حجاج بن یوسف ظالم حکمراں نے آپ کو محبوس اور بے دست و پا کر کے شہید کیا۔ آپ کی شہادت ۹۵ ھجری ۴۹ سال کی عمر میں ہوئی۔ شہادت سے پہلے آپ کا طویل مناظرہ حجاج سے ہوا جو قوت ایمانی اور ثبات قلبی پر دال ہے۔ فرضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا۔

# حضرت مجاہد بن جبر

آپ کی کنیت ابو الحجاج ہے، مجاھد بن جبر مکی مقری مفسر ہیں۔ ولاء کے اعتبار سے مخزومی کہ سائب بن ابی سائب کے آزاد کردہ ہیں۔ علماء اعلام سے ہیں۔ ۲۱ ہجری میں ولادت اور وصال ۱۰۴ ہجری مکہ مکرمہ میں حالت سجدہ میں ہوا۔

## مقام و مرتبہ

آپ کی تفسیری روایات حضرت ابن عباس سے اگرچہ قلیل ہیں لیکن آپ اصحاب ابن عباس میں اوثق شمار ہوتے ہیں، اسی لئے امام شافعی اور امام بخاری وغیرھما نے آپ کی روایات پر اعتماد کیا۔ امام بخاری اپنی صحیح جامع میں بہت روایتیں آپ سے ذکر کرتے ہیں جو آپ کی فقاہت وعدالت کا بین ثبوت ہیں۔

فضل بن میمون کہتے ہیں: میں نے خود امام مجاہد کو کہتے سنا کہ میں نے حضرت ابن عباس سے قرآن کریم از اول تا آخر تیس مرتبہ پڑھا اور تین مرتبہ تو اس انداز سے پڑھا کہ ہر آیت پر رکتا اور پوچھتا یہ آیت کس سلسلے میں نازل ہوئی اور کیوں نازل ہوئی۔

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں نے امام مجاہد کو دیکھا کہ آپ حضرت ابن عباس سے تفسیر قرآن پوچھتے جاتے اور لکھتے جاتے حتی کہ پورے قرآن کی تفسیر اسی طرح لکھی۔ قتادہ اور مصعب کہتے ہیں: کہ مجاھد علم تفسیر میں اعلم تابعین تھے۔

ابن سعد نے آپ کو ثقہ فقیہ عالم اور کثیر الحدیث کہا۔ ابن حبان نے فقیہ متقی عابد متقن قرار دیا۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں: جب ہمیں مجاھد سے تفسیر مل جائے تو کافی ہے۔

آپ کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا، آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن عمر نے کہا: مجھے اس بات کی تمنا ہے کہ نافع تمہارے حافظہ کا حافظ ہو جائے۔

امام ذھبی کہتے ہیں: آپ کی امامت پر امت کا اجماع ہے اور آپ کی روایات قابل احتجاج ہیں۔ اصحاب صحاح ستہ نے بالاتفاق آپ کی روایات لی ہیں۔ علمائے ناقدین کی یہ شہادتیں آپ کے علم تفسیر میں مقام رفیع کو واضح کرتی ہیں۔

بعض اہل علم نے آپ پر بایں معنی تنقید بھی کی ہے کہ آپ بعض اوقات اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے انہیں مواقع پر اہل کتاب کے اقوال لئے جہاں اہل کتاب کے اقوال سے تفسیر جائز ہے۔

بہر حال آپ کی عدالت وصداقت مسلم چیز ہے اور آپ ایسے استاد کے شاگرد رشید ہیں جنہوں نے اہل کتاب سے اخذ تفسیر کی شرعی مخالفت کی۔ البتہ احادیث رسول سے جن چیزوں میں اہل کتاب کے اقوال کو سند بنایا جاسکتا ہے ان سے استناد کوئی معیوب چیز نہیں۔

## حضرت عکرمہ مولی ابن عباس

آپ کی کنیت ابوعبد اللہ ہے۔ عکرمہ بربری مدنی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام، آپ قبیلہ بربر سے تعلق رکھتے ہیں جو طارق بن زیاد کا قبیلہ تھا، اپنے مولی حضرت ابن عباس، حضرت علی مرتضی، اور ابو ہریرہ وغیرہم صحابہ سے روایت کرتے ہیں،

علماء آپ کی توثیق میں مختلف ہیں۔ جن حضرات نے آپ کی توثیق نہیں کی ہے وہ کہتے ہیں آپ علم کے سلسلہ میں جری تھے اور کہتے تھے کہ میں قرآن کے تمام علوم کا عارف ہوں، بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ آپ نے بعض روایتیں حضرت ابن عباس کی طرف جھوٹ منسوب کی ہیں۔ آپ پر یہ بھی الزام ہے کہ آپ خوارج کے پیروکار تھے۔

ابن حجر تہذیب میں عمر بن مرہ سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے ابن میسب سے قرآن کی آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے بطور طنز یہ فرمایا مجھ سے مت پوچھو بلکہ ان سے پوچھو جو یہ سمجھتے ہیں کہ میں قرآن کے تمام علوم جانتا ہوں یعنی عکرمہ سے۔

طاؤس ابن کیسان کہتے ہیں: اگر عکرمہ اللہ سے ڈرتے اور اپنی مرویات میں احتیاط سے کام لیتے تو ان کی طرف ایک جم غفیر حصول علم کے لئے آتا۔

یحیٰی بکاء نے کہا: ابن عمر سے لوگوں نے سنا کہ وہ اپنے غلام وشاگرد نافع سے فرماتے کہ اللہ سے ڈرنا اور میری طرف اس طرح جھوٹ منسوب نہ کرنا جیسا کہ عکرمہ نے ابن عباس کے طرف کیا۔

ابن سعد نے روایت کی کہ علی بن عبد اللہ ابن عباس انہیں بیت الخلا کے دروازہ پر باندھ کر سزا دیتے اور کہتے یہ میرے باپ کی جانب جھوٹ منسوب کرتا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ معاصرین میں عکرمہ کا کوئی مقام نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا اور کثیر شاعر کا ایک ہی دن انتقال ہوا تو کثیر شاعر کے جنازہ میں جم غفیر تھا اور ان کے جنازہ میں کوئی نہیں۔

## الزامات کا جائزہ

یہ تمام روایتیں جو آپ کے مطاعن پر دال ہیں سب باطل ومردود ہیں۔

حضرت عکرمہ چونکہ حضرت ابن عباس کے سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے اور خدمت انجام دیتے تھے لہذا ابن عباس سے کثیر الروایہ ہونا طبعی امر تھا۔ لہذا کثرت روایت کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے ابن عباس کی جانب بہت روایتیں جھوٹ منسوب کردیں۔ یہ الزام تو حضور کی نسبت سے حضرت ابوھریرہ پر بھی لوگوں نے لگایا لیکن آپ نے پرزور الفاظ میں تردید کی اور وجہ وہی بیان کی کہ میں حضور کی خدمت میں کثرت سے حاضر رہا لہذا میری روایتیں زیادہ ہوئیں۔

حضرت حماد ابن زید حضرت ایوب سے روایت کرتے ہیں کہ عکرمہ کہتے ہیں: لوگ میری پیٹھ پیچھے میری تکذیب کرتے ہیں سامنے کیوں نہیں کرتے، سامنے آئیں تو جانیں۔

عثمان ابن حکیم نے بیاں کیا کہ میں ابوامامہ بن سھل بن حنیف کے ساتھ بیٹھا تھا کہ عکرمہ آئے اور فرمایا: اے ابوامامہ اللہ کو سمیع وبصیر جان کر کہو کہ آپ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عکرمہ میری طرف منسوب کرکے جو روایت بیان کریں اس کی تصدیق کرو کہ وہ میری طرف جھوٹ منسوب نہیں کرتا۔ ابوامامہ نے یہ سن کر فرمایا: ہاں۔

یہ روایت ان لوگوں پر کھلا رد ہے جو آپ پر کذب کا بہتان لگاتے ہیں۔ اور وہ روایت کہ حضرت ابن عباس کے صاحبزادے علی آپ کو سزا دیتے اور کہتے یہ میرے باپ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اس کہ حقیقت یہ ہے کہ مردود و باطل ہے۔

تہذیب میں ہے کہ حضرت ابن عباس کا وصال ہوا۔ تو آپ غلام تھے۔ لہذا ایک موقع پر ابن عباس کے انہیں صاحبزادے علی نے آپ کو چار ہزار دینار کے عوض خالد بن یزید بن معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، جب یہ خبر عکرمہ کو پہونچی تو آپ نے حاضر ہو کر اپنے آقا علی سے کہا: آپ کے لئے یہ اچھا نہیں کے اپنے والد کا علم چار ہزار دینار میں بیچ ڈالیں۔ یہ سنکر مشتری سے آپ کو واپس لے کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابن عمر کی روایت یحیی بکاء کے حوالہ سے جو گزری اس کی حقیقت یہ ہے کہ یحیی بکاء متروک الحدیث ہے۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مجروح کی روایت سے عادل وضابط کو مجروح قرار دیا جاسکے۔

اب رہی وہ بات کے کثیر شاعر کے جنازہ میں جم غفیر تھا اور آپ کے جنازہ میں کوئی نہیں۔ تو یہ روایت ہرگز درست نہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ یہ روایت ثابت نہیں کیونکہ اس کا ناقل مجہول ہے۔ اور خوارج کی طرف میلان والی روایت کا حال بھی یہی ہے۔

## مقام ومرتبہ

مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ کیا عکرمہ کی حدیث قابل احتجاج ہے؟ فرمایا: ہاں، اس سے احتجاج درست ہے۔

امام ابن معین کہتے ہیں: جب تم عکرمہ اور حماد بن مسلم کے بارے میں کسی کو کچھ کہتے سنو تو سمجھو کے اس کے اسلام میں شبہ ہے۔

امام عجلی نے کہا: وہ مکی تابعی ثقہ ہیں خارجی ہونے کی نسبت جو ان کی طرف کی جاتی ہے وہ اس سے بری ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ہمارے تمام اصحاب عکرمہ کی روایات سے احتجاج کرتے

ہیں۔امام نسائی نے آپ کو ثقہ قرار دیا اور اپنی سنن میں آپ سے تخریج کی۔

اسی طرح آپ کی رویات امام بخاری،امام مسلم،امام ابوداؤد نے بھی ذکر کی ہیں۔امام مروزی کہتے ہیں کہ عموما محدثین کا آپ کی مرویات سے احتجاج کرنے پر اجماع ہے۔اور ہمارے زمانے کے محدثین بھی اس پر متفق ہیں۔جیسے امام احمد بن حنبل،امام اسحاق بن راھویہ، امام یحیی بن معین وغیرہم کہتے ہیں: میں نے اسحاق بن راھویہ سے آپ کی حدیث سے احتجاج کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: عکرمہ ہمارے نزدیک امام الدنیا ہیں اور میرے سوال سے ان کو تعجب ہوا۔

کیا ان ائمہ حدیث کے حضرت عکرمہ کے سلسلہ میں توثیقی کلمات ہوتے ہوئے کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔لہذا حق یہ ہی ہے کہ آپ جلیل القدر تابعی ہیں اور آپ کی ثقاہت و عدالت،اور دین ودیانت ائمہ کے درمیان مسلم ہیں۔

## علم تفسیر میں مقام

آپ کو علم وفضل کے میدان میں عظیم مقام حاصل تھا بالخصوص فن تفسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے،علماء نے اس امر کی بھی شہادت دی ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں: ہم عصر علماء میں فقہ وتفسیر میں اعلم تھے۔

عمر بن دینار نے فرمایا: جابر بن زید سے چند مسائل کسی نے پوچھے تو آپ نے عکرمہ سے معلوم کئے اور فرمایا: یہ عکرمہ مولی ابن عباس ہیں، یہ علم کا سمندر ہیں ان سے پوچھا کرو۔

امام شعبی فرماتے تھے: کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھنے والوں میں عکرمہ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا۔

حبیب بن ثابت نے کہا: میرے پاس پانچ حضرات صاحبان علم وفضل جمع ہوئے، یعنی طاؤس،مجاھد،سعید،عکرمہ،عطاء،ان میں مجاھد وسعید دونوں عکرمہ پر کوئی آیت پیش کرنے اور اس کی تفسیر پوچھتے تو آپ فوراً اس کا جواب دیتے۔جب ان کے سوالات ختم ہوگئے تو خود فرمانے لگے اس آیت کا شان نزول یہ ہے اور اس آیت کا یہ۔

یحییٰ بن ایوب مصری کہتے ہیں: مجھ سے ابن جریج نے پوچھا، کیا تم نے عکرمہ کی روایات لکھیں، میں نے کہا نہیں، تو فرمایا: تم نے دو تہائی علم ضائع کر دیا۔ آپ کا وصال بھی ۱۰۴ھ میں ہوا۔

## حضرت طاؤس بن کیسان یمانی

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان یمانی محمری جندی ہیں بجیر بن ریسان یا ہمدان کے غلام تھے۔

عبادلہ اربعہ وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں: میں پچاس صحابہ کی مجلس میں بیٹھا۔

آپ عالم متقی تھے اور کتاب اللہ کے معانی کے عالم، صحابہ میں خاص طور پر آپ نے حضرت ابن عباس سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ نہایت ہی متقی و پرہیز گار اور امین تھے۔ حتی کے حضرت ابن عباس نے آپ کی فضیلت کی گواہی دی اور فرمایا:

میں سمجھتا ہوں کے طاؤس اہل جنت سے ہیں۔

عمرو بن دینار نے کہا: میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہ دیکھا۔

ابن معین نے آپ کو ثقہ فرمایا۔ ابن حبان نے آپ کو عابد اور سادات تابعین میں شمار کیا آپ مستجاب الدعوات تھے، چالیس حج کئے۔ اصحاب صحاح ستہ آپ سے تخریج کرتے ہیں۔

امام ذھبی کہتے ہیں: آپ شیوخ اہل یمن سے تھے، بہت حج کئے اور مکہ ہی نہیں ۱۰۶ھ میں وصال ہوا۔

## حضرت عطا ابن ابی رباح

آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔ عطا بن ابی رباح مکی قرشی ہیں۔ یعنی خاندان قریش میں کسی کے غلام تھے۔ ۲۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۱۴ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ابن عباس، ابن عمر، اور ابن عمرو بن عاص وغیرہم سے روایت کرتے

ہیں۔ خود فرماتے تھے کہ میں نے دوسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا۔ آپ ثقہ فقیہ عالم اور عظیم محدث تھے، مکہ مکرمہ میں آپ پر علم فتوی منتہی ہوا۔

حضرت ابن عباس نے اہل مکہ سے فرمایا:

تم لوگ میرے پاس فتوی پوچھنے آتے ہو حالانکہ تم میں عطا موجود ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں: میں نے جن حضرات سے ملاقات کی ان میں حضرت عطا سے افضل اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔

امام اوزاعی نے فرمایا: جس دن عطا کا وصال ہوا اس دن وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مقبول تھے۔

سلمہ بن کہیل کہتے ہیں: جنہوں نے اپنے علم سے اللہ کی رضا چاہی میں نے ایسے تین اشخاص کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا، یعنی عطا، مجاہد، طاؤس۔

ابن حبان فرماتے ہیں: آپ سادات تابعین میں سے ہیں اور فقیہ عالم فاضل متقی۔

اصحاب ستہ نے آپ سے تخریج کی۔

## مدینہ منورہ میں علم تفسیر کا مدرسہ

حضرت اُبی بن کعب نے مدینہ منورہ میں اس علم کی آبیاری کی اور علم تفسیر کو پروان چڑھایا۔ مدینہ منورہ میں اگر چہ صحابہ کرام بڑی تعداد میں موجود تھے لیکن آپ کو اس میدان میں نمایاں شہرت حاصل ہونے کی وجہ سے زیادہ لوگ آپ کی جانب رجوع کرتے جس کی وجہ سے آپ مرکز توجہ بن گئے۔ آپ کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل حضرات نے شہرت حاصل کی۔

ابوالعالیہ۔ محمد بن کعب القرظی۔ زید بن اسلم

## حضرت ابوالعالیہ

آپ کی یہ کنیت ہے۔ رفیع بن مہران ریاحی ہیں اور غلام تھے۔ جاہلیت کا زمانہ پایا لیکن حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے دو سال بعد اسلام لائے۔

حضرت علی ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر اور ابی بن کعب وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔ ثقات تابعین میں مشہور مفسر قرآن ہیں۔

ابن معین، ابوزرعہ اور ابوحاتم آپ کو ثقہ کہتے ہیں۔ لالکائی نے آپ کی ثقاہت پر اجماع نقل کیا ہے۔

امام عجلی نے تابعی ثقہ کہا۔ اور اکابر تابعین میں شمار کیا۔ آپ قرآن کریم حفظ کرتے اور اچھی طرح پڑھتے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ آپ فرماتے تھے: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے دس سال بعد قرآن کریم پڑھا۔ نیز فرمایا: میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں تین مرتبہ قرآن کریم پڑھا۔

ابن ابی داؤد کہتے ہیں: صحابہ کے بعد علم قرأت میں آپ کا ثانی نہیں تھا۔

حضرت ابی بن کعب سے ایک نسخۂ تفسیر آپ کی سند سے منقول ہے اور یہ سند اس طرح ہیں۔ ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیہ عن ابی۔

اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ سند صحیح ہے اور اس نسخہ اور سند سے ابن جریر و ابن ابی حاتم خوب روایتیں لیتے ہیں۔

امام حاکم نے مستدرک اور امام احمد نے مسند میں بھی اس سند سے تخریج کی ہے۔

آپ کا وصال ۹۰ھ میں ہوا۔

## حضرت محمد بن کعب القرظی

آپ کی کنیت ابوحمزہ یا ابوعبداللہ ہے۔ محمد بن کعب بن سلیم بن اسد قرظی مدنی ہیں۔ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ حضرت علی۔ ابن مسعود۔ ابن عباس وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب سے بالواسطہ روایت لیتے ہیں؛

ثقاہت، عدالت اور تقوی میں مشہور تھے۔ عظیم محدث و مفسر کی حیثیت سے متعارف،

ابن سعد نے آپ کو ثقہ عالم متقی اور عظیم محدث مانا۔

امام عجلی نے مدنی تابعی اور مرد صالح اور عالم قرآن کہا۔

ابن عون نے کہا: میں نے ان سے زیادہ عظیم مفسر کسی کو نہ دیکھا۔

ابن حبان نے افاضل مدینہ میں شمار کیا اور عالم فقیہ کہا۔ آپ کے وصال کا حادثہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک مسجد میں درس و تدریس میں مشغول تھے کہ اچانک چھت گر گئی اور آپ مع ساتھیوں کے شہید ہو گئے۔ یہ ۱۱۸ھ کا واقعہ ہے۔

# حضرت زید بن اسلم

آپ کی کنیت ابو اسامہ یا ابو عبداللہ ہے۔ زید بن اسلم عدوی مدنی ہیں اور فقیہ و مفسر سے مشہور ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے غلام تھے اور تابعین میں شمار ہوتے تھے۔

امام احمد، امام ابوزرعہ، ابوحاتم، اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ فرمایا۔

ان چار ائمہ حدیث کی شہادت کے بعد آپ کی عدالت و ثقاہت پر مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ اصحاب ستہ آپ سے تخریج احادیث کرتے ہیں،

آپ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے معاصرین میں مشہور تھے، بہت سے حضرات آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور علم نافع حاصل کرتے۔ حضرت علی بن حسین امام زین العابدین اپنی خاندانی مجالس علمیہ چھوڑ کر آپ کی مجلس میں آتے۔ ایک مرتبہ نافع بن زبیر بن مطعم نے کہا آپ اپنی قومی درسگاہ چھوڑ کر حضرت عمر کے ایک غلام کی مجلس میں آکر بیٹھتے ہیں۔ اس پر امام زین العابدین نے فرمایا:

آدمی کو اپنے دین کا جہاں نفع ملتا ہے وہیں جاتا ہے۔

آپ تفسیر بالرائے میں مشہور ہوئے اور اسمیں آپ کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ چونکہ صحابہ و تابعین کے تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں دو گروہ تھے۔ لہذا آپ کا تعلق مجوزین کی جماعت سے تھا۔ خاص بات یہ ہے کہ آپ کسی بدعت کو رواج دینے والے نہیں تھے۔ کہ جس کی طرف اپنی تفسیر سے بلاتے۔ لہذا تفسیر بالرائے میں کچھ حرج نہیں۔ اور تفسیر بالرائے کن قیود کے ساتھ جائز ہے۔ گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے۔

آپ سے عبدالرحمٰن بن زید اور امام مالک نے علم تفسیر حاصل کیا۔

آپ کا وصال ۱۳۶ھ میں ہوا۔

## عراق میں علم تفسیر کا مدرسہ

عراق میں تفسیر کا مدرسہ اس وقت قائم ہوا جب حضرت عبداللہ بن مسعود وہاں تشریف لے گئے، اگر چہ وہاں دوسرے صحابہ بھی تشریف لے گئے تھے لیکن اولیت کا سہرا آپ کے سر ہے ۔آپ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ معلم و وزیر بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمار کوفہ کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لہذا اہل کوفہ آپ کی خدمت میں حصول علم کے لئے حاضر ہوتے رہے۔

اہل عراق آگے چل کر اہل رائے سے مشہور ہوئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو جہاں قرآنی آیات اور احادیث کریمہ کسی مسئلہ میں نہیں ملیں تو انہوں نے اجتہاد و قیاس سے مسائل کا استنباط کیا۔ دراصل اس کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود نے رکھی۔ اور پھر آپ ہی سے اہل عراق نے یہ طریقہ حاصل کیا۔ اسی طرح تفسیر قرآن میں بھی رائے اور قیاس سے کام لیا جانے لگا۔ اور مسائل خلافیہ شرعیہ کا استنباط اسی انداز سے ہوا۔ علم تفسیر میں بہت سے تابعین عراق نے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ لیکن ان میں جن حضرات کو شہرت حاصل ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرہ ہمدانی، عامر شعبی، حسن بصری، قتادہ بن دعامہ سدوسی۔

## حضرت علقمہ بن قیس

آپ علقمہ بن قیس بن عبد بن مالک نخعی کوفی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ولادت ہوئی۔ حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضی اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔

آپ حضرت ابن مسعود کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں اور آپ کے علم کے سب

سے بڑے عالم تھے۔

عثمان بن سعید کہتے ہیں: میں نے ابن معین سے کہا: آپ کے نزدیک علقمہ زیادہ پسندیدہ ہیں یا عبیدہ۔ تو آپ نے کسی کو ترجیح نہیں دی۔

پھر عثمان نے خود ہی کہا۔ دونوں ثقہ ہیں اور علقمہ اعلم تھے۔

ابو مثنی کہتے ہیں: کوئی اگر حضرت ابن مسعود کا دیدار نہ کر سکا اور علقمہ سے شرف ملاقات اس نے حاصل کر لیا تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔ کہ علقمہ چال ڈھال میں حضرت ابن مسعود سے بہت مشابہ تھے۔

داؤد بن ابو ہند کہتے ہیں: میں نے امام شعبہ سے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود کے تلامذہ میں کسی کی نشاندہی کیجئے۔ فرمایا: علقمہ سب سے زیادہ منظور نظر تھے۔

عبد بن یزید کہتے ہیں: حضرت ابن مسعود نے خود فرمایا: علقمہ میری قرأت اور میرے علم کے وارث اور حامل ہیں۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود کے تلامذہ جو لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے چھ حضرات تھے۔ اور پھر علقمہ کا نام سب سے پہلے ذکر فرمایا۔

امام احمد نے آپ کو اہل خیر اور صلاح میں شمار فرمایا۔

مرہ ہمدانی نے علمائے ربانیین میں داخل مانا۔

خلاصہ یہ کہ ورع واحتیاط وصلاح وفلاح میں آپ کا پایا بلند تھا۔ اصحاب ستہ نے آپ سے تخریج احادیث کی۔

۶۱ ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ وقت وصال ۹۰ سال عمر مبارک تھی۔

## حضرت مسروق

آپ کی کنیت ابو عائشہ ہے۔ مسروق بن اجدع بن مالک بن امیہ ہمدانی کوفی ہیں، عابد کے لقب سے مشہور تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق نے آپ کا نام پوچھا تو آپ نے جواب دیا، میرا نام مسروق بن اجدع ہے۔ فاروق اعظم نے فرمایا: اجدع شیطان کو کہتے ہیں۔ تم

مسروق بن عبدالرحمٰن ہو۔

آپ خلفائے اربعہ، ابن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود کے اعظم تلامذہ میں تھے۔ اپنے علم اور تقویٰ اور عدالت میں مشہور ہوئے، شریح قاضی کوفہ مشکل مسائل میں آپ سے مشورہ کرتے۔

مالک بن مغول کہتے ہیں: میں نے ابوسفر کو بارہا کہتے سنا کہ ہمدانی عورتوں نے مسروق جیسا نہیں جنا۔

امام شعبی نے فرمایا: میں نے مسروق جیسا طالب علم نہیں دیکھا۔

ابن مدنی کہتے ہیں: حضرت ابن مسعود کے تلامذہ میں سب سے پہلے شاگرد آپ ہیں، حضرت مسروق خود فرماتے ہیں: میں صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھا۔ میں نے ان کو دریا کے مثل پایا ایسا دریا جو کبھی ایک شخص کو سیراب کرتا ہے اور کبھی دو کو اور کبھی دس کو اور کبھی سو کو حتی کہ اگر تمام اہل زمیں بھی اس کے پاس جائیں تو سب سیراب ہو جائیں۔

آپ علم تفسیر کے امام اور عظیم عالم تھے اور کتاب اللہ کے معانی اور مطالب سے خوب خوب آگاہ۔ خود فرتے ہیں کہ میں نے علم تفسیر اپنے استاد سے حاصل کیا۔ آپ ایک سورۃ تلاوت کرتے اور اس کی تفسیر میں پورے دن احادیث بیان کرتے اور تفسیر فرتے۔ ائمہ محدثین اور اصحاب جرح وتعدیل کے یہاں آپ کی شخصیت مسلم ہے۔

ثقہ ہیں اور ان جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا کے یہ کیسے ہیں۔

ابن سعید نے ان کی احادیث کو صالح الاحتجاج بتایا اور ان کو ثقہ کہا۔

ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔

اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج احادیث کی۔ ابواسحاق سے امام شعبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت مسروق نے ایک مرتبہ حج کیا تو سجدہ کے علاوہ کبھی نہیں سوئے۔

آپ کا وصال ۶۳ھ میں ہوا۔

# حضرت اسود بن یزید

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔اسود بن یزید بن قیس نخعی ہیں۔اکابر تابعین سے ہیں اور حضرت ابن مسعود کے ارشد تلامذہ میں گنے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر، فارورق اعظم، علی مرتضی، حذیفہ اور بلال وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔آپ ثقہ اور صالح تھے اور کتاب اللہ کے عظیم عالم۔امام احمد بن حنبل نے آپ کو ثقہ کہا اور اہل خیر میں شمار کیا۔یحیی بن معین ثقہ کہتے ہیں۔

ابن سعید ثقہ کہتے اور آپکی مرویات کو صالح الاحتجاج قرار دیتے۔حکم کہتے کہ آپ صائم الدہر رہتے۔حتی کہ کثرت صوم کی باعث آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی۔

امام نخعی نے حضرت ابن مسعود کے تلامذہ میں مسند افتاء کی زینت قرار دیا۔

ابن حبان نے ثقات میں آپ کو زاہد وفقیہ قرار دیا۔اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی۔آپ کا وصال ۷۴ھ میں ہوا۔

# حضرت مرہ ہمدانی

آپ کی کنیت ابواسمٰعیل ہے۔مرہ بن شراحیل ہمدانی کوفی ہیں۔عابد، مرہ طیب، اور مرۃ خیر کے لقب سے ملقب تھے۔یہ القاب آپ کو عبادت میں انہماک اور غایت تقوی کے سبب دیئے گئے تھے۔

حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضی، ابن مسعود وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔

آپ سے امام عامر شعبی اور دیگر ساتھیوں نے روایت کی ہے۔امام ابن معین اور امام عجلی آپ کی توصیف کرتے ہیں۔اصحاب ستہ نے آپ سے روایت کی۔

حارث غنوی کہتے ہیں: آپ اس کثرت سے سجدہ ریز رہتے۔کہ مٹی کے گہرے اور واضح نشانات چہرہ سے ظاہر ہوتے تھے۔ہر دن چھ سو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔۷۶ھ میں

وصال ہوا۔

# حضرت عامر شعبی

آپ کی کنیت ابوعمرو ہے۔عامر بن شراحبیل شعبی حمیری کوفی اور جلیل القدر تابعی ہیں، کوفہ کے قاضی رہے۔

حضرت فاروق اعظم، علی مرتضی اور ابن مسعود سے روایت تو کرتے ہیں لیکن سماعت حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ، ام المومنین عائشہ صدیقہ، ابن عباس اور ابو موسی اشعری وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔خود فرماتے تھے: میں نے پانچ سو صحابہ کا زمانہ پایا۔

امام عجلی فرماتے ہیں: آپ نے اڑتالیس صحابہ سے سماعت حدیث کی۔

عبد الملک بن عمیر کہتے ہیں: حضرت ابن عمر امام شعبی کے پاس سے گزرے تو آپ مغازی بیان فرمارہے تھے۔آپ نے فرمایا: میں قوم کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ یہ بلاشبہ اس فن کے بڑے حافظ و عالم ہیں۔

مکحولی کہتے ہیں: میں نے ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

ابن عیینہ کہتے تھے: لوگ کہتے ہیں: ابن عباس۔ شعبی۔ ثوری۔ اور ابن شبر یہ اپنے اپنے زمانہ میں فرید عصر تھے۔

نیز کہتے تھے کہ میں نے امام شعبی کو خود فرماتے سنا کہ میں نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر نہیں لکھا۔اور جب بھی کسی نے کوئی حدیث بیان کی مجھے حفظ ہوگئی۔ کہ میں نے کبھی اس کی تکرار نہیں کی۔

ابن معین اور ابوزرعہ وغیرہما ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ شعبی ثقہ ہیں۔

ابن حبان نے ثقات میں آپ کو فقیہ و شاعر لکھا۔

ابو جعفر طبری نے طبقات فقہاء میں فرمایا: آپ ادب، فقہ اور دیگر علوم میں ممتاز تھے۔

ابن ابی خیثمہ نے ابو حصین سے روایت کی کہ میں نے ان سے بڑا عالم کسی کو نہ دیکھا۔

اس پر ابوبکر عیاش نے کہا: کیا امام شریح بھی نہیں۔فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ ہاں سنو میں نے امام شعبی سے بڑا عالم ان کو بھی نہیں پایا۔

ابواسحاق کہتے ہیں: وہ علوم وفنون میں وحید عصر تھے۔

سلیمان بن ابی مجلو کہتے ہیں: میں نے شعبی سے بڑا فقیہ نہ سعید بن مسیب کو دیکھا اور نہ طاؤس وعطا کو اور نہ حسن بصری وابن سیرین کو۔

ابوبکر ہذل کہتے ہیں: مجھ سے ابن سیرین نے فرمایا: امام شعبی کے حلقہ درس کو نہ چھوڑنا کہ میں نے خود دیکھا کہ ان سے مسائل پوچھنے لوگ اس زمانہ میں بھی آتے تھے جب کہ صحابہ کرام کثرت سے موجود تھے۔پھر فرماتے:

میں کوفہ آیا تو امام شعبی کا ایک حلقہ درس تھا۔جب کہ وہاں صحابہ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

عاصم کہتے ہیں: میں نے علم حدیث میں اہل کوفہ وبصرہ اور اہل حجاز سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں دیکھا۔

اہل علم کی یہ تمام شہادتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ آپ مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔خواہ وہ حدیث وتفسیر ہو یا فقہ وشعر۔

جب صحابہ کے زمانہ اقدس میں ان کے فتوی پر لوگ اعتماد کرتے اور اہل علم ان کی علمی مجلس میں حاضر ہوتے تو پھر اس سے بڑھ کر ان کی علمی جلالت پر اور کس شہادت کی ضرورت ہے۔لہذا بلا شبہ وہ اپنے اقران وامصار میں عظیم مقام کے حامل تھے۔ان تمام فضائل وکمالات کے باوجود وہ علم تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے۔سلف سے جب تک کوئی روایت نہیں ملتی اس وقت تک توقف فرماتے۔باں علم وفضل یہ ان کی غایت احتیاط تھی۔

ابن جریر طبری کہتے ہیں: میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ تین چیزوں کے بارے میں اپنے طور سے کچھ نہیں کہوں گا حتی کہ میری موت آجائے۔یعنی قرآن، روح اور رائے۔اسی لئے آپ ان ائمہ سے خوش نہیں رہتے تھے جو تفسیر میں اپنی رائے سے کام لیتے۔حالانکہ وہ کوتاہ علم

اور قاصر نظر ہوتے۔

آپ کی سنہ ولادت ووصال میں بہت اختلاف ہے۔اور قول مشہور یہ ہے کہ ۲۰ھ میں ولادت اور ۱۰۹ھ میں وصال ہوا۔

# حضرت حسن بصری

آپ کی کنیت ابو سعید ہے۔حسن بن ابی الحسن یسار بصری ہیں اور انصار کے غلام تھے۔ آپ کی والدہ خیرہ ام المومنین ام سلمہ کی باندی تھیں۔

آپ کی ولادت دور فاروقی میں یعنی ۲۳ یا ۲۴ ہجری میں ہوئی۔

آپ کو وعظ وتقریر میں کمال حاصل تھا۔نہایت فصیح وبلیغ اور زہد وورع میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ آپ کے جملے دلوں میں گھر کر جاتے اور سامعین خوب خوب مستفیض ہوتے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول کے عظیم عالم،حلال وحرام کے مسائل میں امتیازی شان کے مالک،خلق کثیر نے آپ کی جلالت شان کی گواہی دی۔

حضرت انس بن مالک صحابی رسول اور خادم حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

حسن سے پوچھو کہ علوم ومعارف ان کو محفوظ ہیں اور ہم ضعف پیری کی وجہ سے بھول گئے۔

مطر بن وراق کہتے: جابر بن زید بصرہ کی عظیم شخصیت تھے لیکن جب حسن بصری مسند علم وفضل پر نمودار ہوئے تو گویا پردۂ غیب اور عالم آخرت سے ایک شخص ظاہر ہوا کہ وہاں کے چشم دید مناظر بیان کرتا ہے۔

سلیمان تیمی کہتے: حسن بصرہ کے شیخ وامام ہیں۔

ابوعوانہ نے قتادہ سے روایت کی۔کہ میں کبھی کسی فقیہ کی بارگاہ میں نہیں بیٹھا مگر حسن کو ان سے افضل پایا۔

بکر مزنی کہتے تھے: جس کو یہ بات اچھی لگے کہ میں اس زمانے کے بڑے عالم کو دیکھوں تو وہ حسن بصری کو دیکھے۔ ہم نے کسی کو ان سے بڑا عالم نہیں پایا۔

حجاج بن ارطاۃ کہتے ہیں: میں نے عطاء ابن ابی رباح سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کبھی حسن بصری کی درس گاہ نہ چھوڑنا۔ وہ عظیم امام ومقتدا ہیں۔

امام باقر کی خدمت میں جب بھی آپ کا ذکر ہوتا تو فرماتے: ان کا کلام تو انبیاء کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے۔

ابن سعد آپ کو عالم وفقیہ، جامع ورفیع، ثقہ ومامون، عابد وزاہد، وجیہ وجمیل اور کثیر العلم جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

حماد بن مسلم نے حمید سے روایت کی کہ میں نے حسن بصری کے روبرو قرآن عظیم کی تلاوت کی تو آپ نے قدر وقضاء کے اثبات میں تفسیر فرمائی اور ارشاد فرمایا: جو تقدیر کا انکار کرے کافر ہے۔

اصحاب ستہ نے آپ سے روایت کی۔

۱۱۰ھ میں وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۸ سال تھی۔

## حضرت قتادہ

آپ کی کنیت ابوالخطاب ہے۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی ہیں اور عربی الاصل۔ بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔

حضرت انس، ابوالطفیل، دونوں صحابیوں سے رویت کی، ان کے علاوہ تابعین میں ابن سیرین، عکرمہ، عطاء وغیرہم سے علم حدیث حاصل کیا۔

آپ کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا۔ عربی شعر کی وسیع معلومات رکھتے تھے۔ ایام عرب اور انساب قبلہائے عرب کی خوب خوب معلومات حاصل تھیں۔ عربی لغت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

آپ کے حافظہ کی قوت پر وہ واقعہ دلالت کرتا ہے جس کو سلام بن مسکین نے عمرو بن

عبد اللہ سے روایت کیا کہ قتادہ ایک مرتبہ سعید بن میسب کے پاس آئے تو ابن میسب نے آپ سے چند چیزوں کے بارے میں پوچھا۔ سعید بن میسب نے فرمایا: جو سوالات آپ نے کئے ہیں کیا وہ سب آپ نے اپنی یادداشت اور حفظ وضبط ہی سے کئے ہیں۔

حضرت سعید بن میسب اور ابن سیرین آپ کے حفظ وضبط کی گواہی دیتے ہیں حتی کہ سعید نے فرمایا: میرے پاس عراقیوں میں کوئی قتادہ سے بہتر نہیں آیا۔

معمر نے امام زھری سے کہا:

آپ کے نزدیک قتادہ اعلم ہے یا مکحول۔ آپ نے جواب دیا بلکہ قتادہ۔

ابو حاتم کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل کو آپ کا ذکر جمیل نہایت شرح وبسط سے کرتے دیکھا، آپ کے علم وفقاہت، تفسیر اور اختلافی مسائل میں معرفت، اور حفظ وضبط کی تعریف فرماتے اور کہتے: ان پر جن کو تقدم حاصل ہو وہ کم ہی ہیں۔

آپ کا وصال ۱۱۷ھ میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف ۵۶ سال سے متجاوز تھی۔

تابعین عظام میں یہ چند مشہور مفسرین کا تذکرہ تھا، انھوں نے اکثر وبیشتر تو صحابہ کرام کے اقوال سے ہی تفسیر کی البتہ بعض نے حسب ضرورت اہل کتاب کے اقوال کے طرف بھی مراجعت فرمائی لیکن اسی حد تک جو ممنوع نہیں تھے۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ تو وہ ان کے اجتہاد ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو علم عظیم اور فہم سلیم کی دولت سے نوازہ تھا کہ ان کا زمانہ اقدس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے قریب تھا۔ اور بالمشافہ انھوں نے صحابہ سے اکتساب علم کیا تھا۔ پھر یہ کہ ان کو زبان عربی میں عبور اور خالص عربی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ لہذا وہ کوتاہیاں جو بعد میں رونما ہوئیں ان سے وہ یکسر پاک تھے۔ اس لئے ان کی تفسیر پر بعد کے علماء نے اعتماد کیا اور خوب خوب عام کیا۔

## اس دور کی تفسیر کا مقام ومرتبہ

علمائے کرام اس سلسلہ میں مختلف ہیں، کہ اگر کسی آیت کی تفسیر حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے منقول نہ ہو تو کیا تابعین کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ ایسی تفسیر مقبول ہے۔اور دوسری رویت میں ہے کہ غیر مقبول۔اور صحیح یہ ہے کہ ان حضرات کی تفسیر مقبول ہے اور اکثر مفسرین نے اسی کو اپنایا۔اس لئے کہ تابعین نے اکثر تفسیری روایات صحابہ ہی سے اخذ فرمائیں۔

مثلا امام مجاھد فرماتے ہیں:

کہ میں نے قرآن عظیم کو از اول تا آخر حضرت ابن عباس پر تین مرتبہ پیش کیا۔ہر آیت پرٹھرتا اور اس کے بارے میں پوچھتا۔چنانچہ ہر آیت کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ میں نے آپ سے ضرور سنا۔

اسی لئے تابعین کے اقوال اکثر مفسرین نے اپنی کتابوں میں نقل فرمائے اور ان پر اعتماد کیا۔

انصافاً اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ ائمہ تابعین کے انہی اقوال پر عمل واجب جن میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ہاں اگر ان کا کسی قول اور رائے پر اجماع منعقد ہو چکا تو پھر اس سے عدول جائز نہیں۔اس زمانہ میں بھی تفسیر میں اختلاف قلیل ہی رہا۔

پھر ان کے بعد وہ دور آیا جس میں علوم ادبیہ اور علوم عقلیہ کی تدوین ہوئی،اختلافات کلامیہ فقہیہ نے باقاعدہ فن کی صورت اختیار کر لی۔لہذا اختلافات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا جس کا اثر علم تفسیر پر بھی پڑا۔

## تیسرا مرحلہ

یہ مرحلہ عہد اُموی کے اواخر اور عباسی عہد کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔اس سے پہلے علم تفسیر اکثر بطور روایت رہا۔صحابہ کرام حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کرتے،جیسے کہ ان کی روایت آپس میں بھی ایک دوسرے سے رہی۔یوں ہی تابعین کے دور میں،کہ یہ حضرات صحابہ سے روایت کرتے یا آپس میں۔بہر حال اس زمانہ میں اس علم تفسیر کی بطور فن تدوین وترتیب نہیں ہوئی۔لیکن اس کے بعد تین طریقوں سے اس علم کی اشاعت ہوئی۔

## پہلا طریقہ

صحابہ و تابعین کے بعد علم تفسیر نے دوسرا رخ اختیار کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب باقاعدہ علم حدیث مدون ہوا۔ اس کے مختلف ابواب قائم ہوئے۔ انہیں میں ایک باب تفسیر بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا علم تفسیر کے لئے علیحدہ کوئی کتاب معرض وجود میں نہ آئی جو تمام سور و آیات کی تفسیر پر مشتمل ہوتی۔ یعنی کچھ علم تفسیر سینوں میں رہا اور کچھ سفینوں کی طرف منتقل ہوا۔ لہٰذا جن ائمہ حدیث و تفسیر نے مختلف شہروں کا دورہ کر کے علم حدیث کو مدون کیا انہیں نے کتب حدیث کے مختلف ابواب میں ایک باب تفسیر بھی قائم کیا اور اس میں احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ و تابعین ذکر کئے۔ ان میں بعض ائمہ کے اسماء یہ ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| یزید بن ھارون سلمی | متوفی | ۱۱۷ ھ |
| شعبہ بن حجاج | // | ۱۶۰ھ |
| وکیع بن الجراح | // | ۱۹۷ ھ |
| سفیان بن عیینہ | // | ۱۹۸ ھ |
| روح بن عبادہ بصری | // | ۲۰۵ ھ |
| عبدالرزاق بن ھمام | // | ۲۱۱ ھ |
| آدم بن ایاس | // | ۲۲۰ ھ |
| عبد بن حمید | // | ۲۴۹ ھ |

لہٰذا اس وقت تک کوئی مستقل کتاب علیحدہ مکمل تفسیر قرآن کی شکل میں نہیں لکھی گئی۔

## دوسرا طریقہ

اس کے بعد علم تفسیر نے مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی اور ائمہ کرام نے پورے قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ ان میں بعض حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ابن ماجہ | متوفی | ۳۷۲ھ |
| ابن جریر طبری | // | ۳۱۰ ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ابوبکر بن منذر نیشاپوری | // | ۳۱۸ھ |
| ابن ابی حاتم | // | ۳۲۷ھ |
| ابو شیخ ابن حبان | // | ۳۶۹ھ |
| حاکم | // | ۴۰۵ھ |
| ابوبکر بن مردویہ | // | ۴۱۰ھ |

ان تمام تفاسیر میں مکمل سندوں کے ساتھ احادیث اور آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین نقل کئے گئے۔ ان تفسیروں کا اکثر حصہ احادیث و آثار پر مشتمل ہے۔ البتہ تفسیر ابن جریر میں اتنا اضافہ ضرور ہے کہ متعدد اقوال ذکر کر کے ان کی توجیہات پیش کرتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔ اور کبھی بوقت ضرورت الفاظ کے اعراب اور استنباط احکام کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں۔

اس دور میں تفسیر پر مستقل کتاب لکھنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ پہلے طریقے متروک قرار دے دئے گئے بلکہ محدثین کی کتابوں کا وہ باب بدستور قائم رہا جس پر حدیث کی بہت سی کتابیں آج بھی گواہ ہیں جو اس زمانہ میں ہی لکھی گئیں۔ ہاں اس زمانہ سے اتنا اضافہ ضرور ہوا کہ بالاستیعاب پورے قرآن کی مستقل تفاسیر لکھی جانے لگیں اور تفسیر ماثور سے مشہور ہوئیں۔ زیادہ شہرت ان کتابوں کو ملی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| جامع البیان فی تفسیر القرآن | ابو جعفر محمد بن جریر طبری | متوفی | ۳۱۰ھ |
| بحر العلوم | ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی | // | ۳۷۳ھ |
| الکشف والبیان | ابو اسحٰق احمد بن ابراھیم ثعلبی | // | ۴۲۷ھ |
| معالم التنزیل | ابو محمد حسین بن مسعود بغوی | // | ۵۱۰ھ |
| المحرر الوجیز | ابو محمد عبد الحق بن غالب اندلسی | // | ۵۴۶ھ |
| تفسیر القرآن | ابو الفدا اسمٰعیل بن کثیر دمشقی | // | ۷۷۴ھ |
| الجواہر الحسان | ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد ثعالبی | // | ۸۷۶ھ |

الدر المنثور ابوالفضل عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی ؍؍ ۹۱۱ھ

لہٰذا مذکورہ ترتیب پر ان تفاسیر اور ان کے مصنفین کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جن سے ان کا مقام ومرتبہ متعین کیا جا سکے۔

# تفسیر ماثور کی مشہور کتاب

## جامع البیان

اس کتاب کے مصنف امام طبری ہیں۔ کنیت ابو جعفر ہے۔ نام ونسب محمد بن جریر بن کثیر بن غالب طبری ہے۔ امام جلیل الشان اور مجتہد مطلق ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف، طبرستان کے شہر آمل کے باشندے تھے۔

آپ کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوئی۔ ۱۲ سال کی عمر میں اپنے شہر سے سفر شروع کیا اور مختلف بلاد اسلامیہ مثلاً مصر وشام وعراق گئے اور بغداد میں اقامت گزیں ہوئے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔



## علم وفضل

ابن جریر ائمہ اعلام سے ایک تھے، محکم قول اور صائب رائے کے مالک تھے۔ اپنے علوم ومعارف میں ہم عصروں سے ممتاز۔ چنانچہ آپ کتاب اللہ کے حافظ ہونے کے ساتھ معانی قرآن کے عارف اور مطالب قرآنی میں بصیرت بھی رکھتے تھے۔ احادیث اور اس کے طرق کے عالم تھے، صحیح اور غیر صحیح احادیث کی خوب معرفت رکھتے تھے، اور ناسخ ومنسوخ کا بخوبی علم تھا۔ صحابہ وتابعین اور اپنے دور کے ائمہ اعلام کے اقوال سے آگاہ اور حلال وحرام کی معرفت رکھتے تھے، علم تاریخ میں مہارت حاصل تھی۔

ابو العباس بن شریح کہتے تھے۔ ابن جریر فقیہ وعالم تھے۔ بہت سے علوم میں سبقت لے گئے، مثلاً علم قرأت وتاریخ، علم تفسیر وحدیث، اور علم فقہ۔ ہر علم میں ان کی تصانیف موجود ہیں جو ان کی جودت طبع اور استحضار علمی پر دال ہیں۔

آپ کی اہم تصانیف سے کتاب التفسیر جس کا یہاں تعارف مقصود ہے۔ کتاب

التاریخ جو تاریخ امم وملوک اور تاریخ طبری سے مشہور ہے۔ کتاب القرأت۔ کتاب اختلاف العلماء۔ تاریخ الرجال من الصحابۃ والتابعین۔ کتاب احکام شرائع الاسلام۔ کتاب التمصرہ فی اصول الدین۔ وغیرہا۔

ابن جریر کی عصر حاضر میں صرف دو کتابیں باقی رہیں اور باقی امتداد زمانہ کی دبیز تہوں میں دب گئیں۔ ایک تفسیر جامع البیان۔ دوسری تاریخ طبری۔

علم تفسیر میں آپ کی یہ کتاب ماخذ کا درجہ رکھتی ہے جس طرح تاریخ میں آپ کی تصنیف کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔

ابن خلکان کہتے ہیں: آپ ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں، کسی کے مقلد نہیں تھے۔

شیخ ابواسحاق شیرازی نے مجتہدین فقہاء کے طبقات میں ذکر کیا۔ آپ کا مذہب فقہی مشہور تھا اور آپ کے متبعین نے اس مذہب کا نام جریریہ رکھا۔ لیکن یہ مذہب زیادہ زمانہ تک باقی نہ رہا جیسے اور بہت سے مذاہب منظر عام پر آئے اور روپوش ہو گئے۔

ابن سبکی نے طبقات کثیر میں خود ابن جریر کا قول ذکر کیا ہے کہ میں نے فقہ شافعی کو رواج دیا اور دس سال تک بغداد میں آپ کے مذہب کے مطابق ہی فتوی دیتا رہا۔

امام سیوطی نے طبقات المفسرین میں فرمایا: کہ یہ اولا شافعی تھے پھر مستقل مذہب کی بنیاد رکھی اور آپ کے بہت متبعین ومقلدین ہوئے۔

صاحب لسان المیزان نے ذکر کیا:

کہ آپ ثقہ وصدوق ہیں۔ البتہ تشیع کی طرف مائل تھے لیکن آپ کا تشیع موالات تھا کہ اہل بیت سے غایت محبت رکھتے تھے۔

البتہ احمد بن علی سلیمانی نے آپ کو رافضی لکھا ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔ بلکہ آپ اکابر ائمہ اسلام ومعتمدین سے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ سلیمانی نے جسکو رافضی کہا ہے وہ یہ نہ ہوں بلکہ آپ کا ہمنام محمد بن جریر بن رستم طبری رافضی ہو کہ دونوں کے نام اور ولدیت کے ساتھ وطن کی نسبت میں بھی اتحاد ہے۔ اور یہ واقعی رافضی تھا۔ لہذا عین ممکن ہے کہ ان کے مراد یہ ہی ہو کیونکہ سلیمانی

خود حافظ و متقن ہیں۔لہذا ایسا صریح بہتان ایسے جلیل القدر امام پر لگانا ان کی شان سے بعید ہے

## تفسیر جامع البیان کا مقام

آپ کی یہ تفسیر کتب تفاسیر میں نہایت اہم اور مشہور ہے۔احادیث و آثار کے ذریعہ تفاسیر میں مفسرین کے درمیان ماخذ کا درجہ اس کو حاصل۔آپ کی اس تفسیر میں استنباط مسائل، توجیہ اقوال اور بعض کو بعض پر ترجیح سب کچھ موجود ہے حتی کہ تفسیر عقلی میں بھی اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

یہ تیس اجزاء میں سولہ مجلدات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے اور علماء اس کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: آپ کی یہ تفسیر نہایت عظیم و جلیل ہے۔توجیہ اقول، اعراب و استنباط اور ترجیح میں متقدمین کی تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔

امام نووی نے فرمایا:

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔

ابو حامد اسفرائنی کہتے ہیں:

اگر کوئی دور دراز کا سفر کر کے علم تفسیر حاصل کرے پھر بھی وہ اس کتاب پر کوئی خاص اضافہ نہیں کر سکتا۔

اور ابن تیمیہ نے تو یہاں تک لکھا کہ جو تفاسیر اس وقت متداول ہیں ان میں اس کا مقام یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے، مصنف اقوال سلف صحیح سندوں سے ذکر کرتے ہیں، نہ اس میں بدعت کو دخل ہے اور نہ ایسے رواۃ کی سند لاتے ہیں جو متہم ہوں۔

صاحب لسان المیزان کہتے ہیں:

ابن خزیمہ نے آپ کی یہ تفسیر ابن خالویہ سے مستعار لی اور چند سال اس کے مطالعہ میں مشغول رہے۔اس کے بعد فرمایا: میں نے اس کو از اول تا آخر پڑھا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ میرے نزدیک روئے زمیں پر ابن جریر سے زیادہ علم تفسیر جاننے والا کوئی دوسرا نہیں۔

ان تمام اقوال اور شہادتوں سے واضح ہو گیا کہ ابن جریر کو علم تفسیر میں علم غزیر حاصل تھا، کہتے ہیں آپ نے یہ تفسیر موجودہ متداول مجلدات سے دس گنی ضخیم لکھی تھی۔

ابن سبکی نے طبقات کبریٰ میں ذکر کیا:

کہ ابن جریر نے اپنے تلامذہ سے فرمایا: کیا تم میری تفسیر قرآن سے خوش ہو۔ بولے اس کی ضخامت کتنی ہے۔ آپ نے فرمایا: تیس ہزار اوراق۔ شاگردوں نے عرض کیا: اس کو پڑھتے پڑھتے تو عمریں تمام ہو جائیں گی لیکن کتاب ختم نہیں، چنانچہ آپ نے اس کو مختصر کیا اور نو حصے حذف کر کے صرف ایک حصہ باقی رکھا یعنی تیس ہزار اوراق سے کل تین ہزار ورق۔

ایسا ہی آپ نے اپنی تاریخ طبری کے بارے میں فرمایا تھا اور اس کی بھی ضخامت اسی قدر تھی۔ لہذا تلامذہ کی خواہش میں آپ نے اس کے بھی نو حصے حذف کر دیئے اور فرمایا: انا للہ ہمتیں کتنی پست ہو گئیں۔

آپ نے یہ کتاب سات سال کی مدت میں اپنے تلامذہ کو املا کرائی یعنی ۲۸۳ھ سے ۲۹۰ھ تک۔ آپ کا وصال ۳۱۰ھ میں ہوا۔

## تفسیر بحر العلوم سمرقندی حنفی

اس کتاب کے مصنف ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی ہیں۔ حنفی فقیہ تھے اور امام الہدیٰ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابو جعفر ہندوانی سے فقہ حاصل کیا۔ بہت سے مفید اقوال اور اہم تصانیف سے مشہور ہوئے۔

آپ کی اہم تصانیف میں تفسیر قرآن ہے جس کا نام آپ نے بحر العلوم رکھا، لیکن تفسیر سمرقندی سے مشہور ہوئی۔

دوسری کتابیں النوازل فی الفقہ، خزانۃ الفقہ، تنبیہ الغافلین ہیں۔ آپ کا وصال ۳۷۳ھ میں ہوا۔

## تفسیر بحر العلوم کا مقام

کتاب کی اہمیت۔ کشف الظنون میں ہے: کہ یہ کتاب نہایت مفید ولطیف ہے۔ شیخ

زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفی نے اس کی احادیث کی تخریج ۸۵۴ھ میں کی۔ یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں لکھی گئی اور مصری کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس تفسیر میں مصنف سلف سے منقول روایات لاتے ہیں۔ اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے اقوال ذکر کرتے ہیں لیکن سندوں کا ذکر بسا اوقات نہیں کرتے۔ جب مختلف روایات اور اقوال ذکر کرتے ہیں تو نہ ان میں بعض کو ترجیح دیتے ہیں اور نہ ان پر کسی طرح کی جرح کرتے ہیں جس طرح ابن جریر کا معمول ہے۔

کبھی اختلاف قرأت کا ذکر بھی کرتے ہیں اور کبھی لغات عربیہ سے بھی تائید لاتے ہیں۔ اور ایک خاص طریقہ یہ بھی اپنایا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتے ہیں۔ قصص و واقعات میں کسی راوی کی روایتیں ذکر کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اقوال کو قال بعضھم کذا۔ سے ذکر کر کے چھوڑ دیتے ہیں کسی کا نام نہیں لیتے۔ کہیں بظاہر آیات پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں تو ان کو مع اعتراض و جواب ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ کتاب تفاسیر میں اہمیت کی حامل ہے اور روایت و درایت دونوں کو جامع ہے لیکن روایت غالب ہے اس لئے تفسیر ماثور میں اس کا شمار ہے۔

## الکشف البیان عن تفسیر القرآن للثعلبی

اس کتاب کے مصنف ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری ہیں۔ آپ مقرر مفسر حافظ واعظ تھے اور علوم عربیہ میں کمال حاصل تھا۔

ابن خلکان نے آپ کو علم تفسیر میں وحید الدہر مانا اور آپ کی تفسیر کو دیگر تفاسیر پر فوقیت دی۔

معجم الادباء میں مصنف اور تفسیر دونوں کی خوب خوب تعریف کی ہے۔

آپ نے دوسری کتابیں بھی تصنیف کیں ان میں کتاب العرائس فی قصص الانبیاء نہایت ہی عظیم کتاب ہے۔

سمعانی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ آپ کو ثعلبی اور ثعالبی دونوں کہا جاتا ہے اور یہ آپ کا لقب ہے نسب نہیں۔

تاریخ نیشاپور میں عبدالغفار بن اسمٰعیل فارسی نے آپ کی تعریف کی ہے اور آپ کی توثیق وتصحیح بھی فرمائی ہے۔آپ ابوطاہر بن خزیمہ اور امام ابوبکر بن مہران مقری کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔آپ سے علم تفسیر حاصل کرنے والوں میں امام ابوالحسن واحدی سر فہرست ہیں اور اپنے استاذ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔اور بلاشبہ آپ کو علم حدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا اور آپ کے اساتذہ کی فہرست بھی نہایت طویل ہے۔آپ کا وصال ۴۲۷ھ میں ہوا۔فرحمہ اللہ وارضاہ۔

## فن تفسیر میں کتاب کا مقام

آپ نے شروع کتاب میں علم تفسیر پر ایک مقدمہ لکھا ہے اور اس میں اپنی کتاب کا طریقہ تصنیف واضح کیا ہے۔

کہتے ہیں: میں نے تمام علوم سے علم تفسیر کو اس لئے منتخب کیا کہ یہ تمام علوم دینیہ کی اساس ہے،اس کے ذریعہ ہی آدمی اندھیریوں سے اجالوں کی طرف آتا ہے۔اللہ تعالی نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے حق وباطل کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا۔افضل ومفضول ،قدیم وجدید،بدعت وسنت اور حجت وشکوک وشبہات کے درمیان امتیاز قائم کیا۔

ان تمام چیزوں کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے دوران میں نے مفسرین کو مختلف طریقوں پر پایا۔

ایک فرقہ اہل بدعت وہواء کا ہے،جیسے جبائی اور رمانی۔

ایک جماعت نے تفسیر تو خوب کی لیکن اہل بدعت کے اقوال کو سلف صالحین کے اقوال سے خلط ملط کر دیا جیسے ابوبکر قفال۔

ایک گروہ نے روایت ونقل پر اقتصار کیا لیکن درایت ونقد سے کام نہ لیا۔جیسے ابو یعقوب حنظلی۔

ایک طبقہ ان مفسرین کا ہے جنہوں نے سند وروایت کو حذف کیا اور کتابوں سے روایتیں نقل کیں جن میں ہر طرح کی روایتیں ہیں۔

ایک جماعت ان مفسرین کی بھی ہے جنھوں نے تمام چیزوں کا احاطہ کیا اور اپنی تصانیف کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی مگر ان کی کتابیں کثرت طرق وروایات کے باعث طویل ہوگئیں جیسے ابن جریر وغیرہ۔

اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جنھوں نے محض تفسیر کی۔ نہ احکام بیان کئے اور نہ مشکل مقامات کا حل۔ نہ معترضین کے جوابات دیئے اور نہ اہل زیغ وکج فہموں کا ردوابطال کیا ۔ جیسے مشائخ سلف میں مجاھد، سدی، کلبی۔

پھر اپنی کتاب کی مندرجات چودہ وجوہ پر ذکر کئے ہیں۔

اول کتاب میں سلف تک اپنی سند ذکر کی ہے اور پھر درمیان کتاب میں کسی روایت میں سند نہ ذکر کر کے اول ہی پر اکتفاء کرلیا ہے۔

اس کتاب میں قصص وواقعات کثرت سے ذکر ہوئے ہیں، بسا اوقات فضائل قرآن وسور میں موضوع روایات بھی ذکر کردی ہیں جو دراصل اسرائیلی روایات ہیں اور ان کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اور بعض شیعی روایات بھی حضرت علی مرتضی اور اہل بیت کی طرف منسوب ہیں،

## معالم التنزیل للبغوی

اس کتاب کے مصنف ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد ہیں جو امام فراء بغوی سے مشہور ہیں ۔فقیہ شافعی اور محدث ومفسر تھے۔ محی السنۃ اور رکن دین آپ کا لقب ہے۔

آپ نے قاضی حسین سے حدیث وفقہ حاصل کیا۔ نہایت ہی پاک باز متقی وزاھد اور قانع تھے، باوضو درسگاہ میں شریک ہوتے ۔ بغیر سالن تنہا روٹی پر اکتفاء فرماتے، آخر عمر میں زیتون کے تیل سے روٹی استعمال کرنے لگے تھے۔

۵۱۰ھ میں مقام مرو میں وصال ہوا، ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔ اپنے استاذ کے پہلو میں مقبرۃ طالقانی میں دفن ہوئے۔

## علم وفضل

آپ تفسیر، حدیث، اور فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز تھے ۔

امام سبکی فرماتے ہیں: آپ جلیل القدر امام تھے اور صاحب تقوی وفتوی۔ جامع علم وعمل اور محدث ومفسر تھے۔ آپ نے ایک عظیم جلیل تفسیر لکھی۔ اور شرح احادیث میں نہایت ہی ضخیم کتاب شرح السنۃ۔ مصابیح اور جمع بین الصحیحین حدیث میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ اور فقہ شافعی میں تہذیب تحریر فرمائی۔ آپ کی تمام تصانیف کو حسن نیت کے باعث قبول عام حاصل ہوا۔

## تفسیر معالم

مقدمہ خازن میں ہے کہ آپ کی یہ تصنیف کتب تفاسیر میں عظیم مرتبہ کی حامل ہے۔ صحیح اقوال کی جامع اور ضعیف اقوال سے پاک ہے۔ احادیث نبویہ سے مزین اور احکام شرعیہ کی مبین ہے، نادر واقعات اور تعجب خیز حکایات سے لبریز ہے۔ اشارات وکنایات سے مرصع اور واضح عبارات کی حامل ہے۔ خوبصورت جملوں کو فصاحت وبلاغت کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن کتانی رسالہ مستطرفہ میں کہتے ہیں:

پھر بھی بعض قصے اور حکایتیں ضعیف ہیں۔

آپ نے سلف کی تفسیر کو حذف سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ امام ثعلبی کی طرح آپ نے بھی مقدمہ میں اپنی سند ذکر کردی ہے اور پھر بیان کیا ہے کہ البتہ بعض سندیں میں نے اختصار کے پیش نظر حذف کی ہیں۔ تفسیر سے غیر متعلق روایات اور منکر احادیث سے بالکلیہ اجتناب کیا ہے۔

مقدمہ میں آپ نے خود لکھا ہے:

میں نے تفسیر کے دوران جو احادیث رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ذکر کی ہیں وہ سب اس طرح کی ہیں جو آیت کو موافق یا اس کے حکم کو بیان کرنے والی کہ قرآن کریم کی بسا اوقات سنت رسول وضاحت کرتی ہے۔ اور ایسی احادیث ہیں جن پر امور دین اور مسائل شرعیہ کا مدار ہے۔ لہذا یہ سب ان کتب سے ماخوذ ہیں جو ائمہ حدیث کی مقبول مشہور کتابیں ہیں۔ البتہ میں نے مناکیر اور غیر متعلق احادیث سے اجتناب کیا ہے۔ آپ نے تفسیر میں وقت ضرورت اختلاف قرأت اور مباحث اعراب کا بھی ذکر کیا ہے جن سے معنی کی وضاحت میں مدد لینا مقصود

ہے۔ کبھی اسرائیلی روایات ذکر کرتے ہیں لیکن ان پر جرح ونقد نہیں کرتے۔ ہاں بعض مقامات پر بظاہر نظم قرآن پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب دیتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجموعی طور پر کتاب عمدہ ہے اور تفسیر کی بہت کتابوں پر فائق۔

## المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز لابن عطیہ

اس تفسیر کے مصنف ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی مغربی غرناطی ہیں۔ اندلس کے شہر مدیہ کے قاضی رہے۔ آپ کی ولادت ۴۸۱ھ میں ہوئی اور وصال مقام رقہ میں ۵۴۶ھ میں ہوا۔

## علم وفضل

آپ نے ایک علمی گھرانہ میں پرورش پائی۔ آپ کے والد ابوبکر غالب بن عطیہ جلیل القدر عالم اور عظیم الشان امام وحافظ تھے اور آپ کے دادا کی اولاد میں بہت سے علماء ذوی الاحترام پیدا ہوئے۔

آپ نہایت ذکی وفہیم تھے۔ ہمیشہ کتابوں سے شغف رکھتے۔ لہٰذا آپ بیک وقت فقیہ وعارف، محدث ومفسر، نحوی ولغوی اور ادیب وشاعر تھے۔

بحر محیط کے مقدمہ میں ابوحیان نے آپ کو جلیل القدر مفسر کہا اور تحریر وتنقیح میں صاحب فضل قرار دیا۔ آپ کی تصانیف میں کتاب مذکور نہایت عظیم تصنیف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علمی دنیا میں آپ کو شہرت کاملہ حاصل تھی۔ ابن فرحون نے دیباج مذہب میں آپ کو علماء مالکیہ میں شمار کیا ہے جیسا کہ امام سیوطی نے شیوخ علم نحو بلکہ اساطین نحاۃ میں شمار فرمایا۔

## تفسیر وجیز

آپ کی اس تفسیر کی دس جلدیں ہیں۔ طرز تفسیر یہ ہے کہ ایک آیت ذکر کرتے ہیں اور پھر عمدہ اور سہل انداز میں اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ اکثر وبیشتر تفسیر ابن جریر سے نقل کرتے ہیں اور کبھی عبارات منقولہ پر مناقشہ بھی کرتے ہیں۔ عربی اشعار بطور استشہاد لانا آپ کا معمول ہے، نحوی مسائل کا اجراء اور معانی وبیان کی وضاحت اور اختلاف قرأت کی نشاندہی بھی کثرت سے

کرتے ہیں۔ ابوحیان نے اس تفسیر کا مقابلہ زمخشری کی تفسیر کشاف سے کیا تو فیصلہ یوں سنایا۔

ابن عطیہ کی کتاب نقل روایات میں کامل علوم کی جامع اور بہت سی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، جب کہ زمخشری کی کتاب مختصر اور معانی کی تہہ تک پہونچانے والی ہے، ابن تیمیہ نے یوں تقابل بیان کیا کہ ابن عطیہ کی تفسیر زمخشری کی تفسیر سے بہتر ہے، نقل و بحث کے اعتبار سے اصح ہے، بدعت سے دور بلکہ بہت سی تفاسیر سے راجح تر ہے۔ سنت رسول اور جماعت صحابہ وتابعین کے اقوال کے مطابق ہے۔ اصول میں متابعت تو اہل سنت کی کرتے ہیں اور جمہور کے قول ہی کو اپناتے ہیں لیکن اشارۃً معتزلہ کے قول کو بھی بعض اوقات لائق ترجیح جانتے ہیں۔

مثال کے طور پر للذین احسنو الحسنی وزیا دۃ الآیہ۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔

جمہور نے الحسنی سے جنت اور زیادۃ سے دیدار الٰہی مراد لیا ہے اور اس سلسلہ میں صدیق اکبر۔ حذیفہ بن الیمان اور ابوموسی اشعری کی روایات ذکر کی ہیں۔ لیکن ایک گروہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ "الحسنی" سے نیکی اور "زیادۃ" سے نیکیوں میں تضعیف واضافہ مراد ہے کہ اللہ تعالی ایک نیکی کو اپنے فضل سے سات سو تک بڑھا دیتا ہے۔

یہ تفسیر بیان کر کے کہتے ہیں کہ غور وفکر کے بعد یہ قول بھی قوی معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر پہلی تفسیر کے قائل صاحبان عظمت وکمال نہ ہوتے تو یہ قول ہی راجح قرار پاتا۔

## تفسیر القرآن لابن کثیر

اس کتاب کے مصنف ابو الفداء اسمٰعیل بن عمرو بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصری ثم دمشقی ہیں۔ فقیہ شافعی سے مشہور تھے۔ دمشق آئے تو اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ اور عمر سات سال تھی۔

ابن شحنہ۔ آمدی۔ ابن عساکر وغیرہم سے علم حاصل کیا اور پھر امام مزی کے ہو رہے۔ تہذیب الکمال انہیں سے پڑھی اور انہوں نے اپنی بیٹی سے ان کی شادی بھی کر دی۔

آخر میں ابن تیمیہ کی شاگردی اختیار کی اور ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ابن تیمیہ کو جب اہل سنت کے مسلک سے مخالفت کی بنیاد پر سزائیں دی گئیں تو یہ بھی اس کے زمرہ میں

داخل تھے۔لہذا ان کو بھی مخالفت اہل حق کے باعث وہی مشقتیں اٹھانا پڑیں۔خاص طور پر اس وقت جب طلاق کے مسئلہ میں اپنی رائے سے فتوی دیا۔

۷۰۰ھ کے قریب ولادت ہوئی اور شعبان ۷۷۴ھ میں انتقال ہوا، مقبرۃ صوفیہ میں اپنے استاذ ابن تیمیہ کے قریب دفن ہوئے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

## مبلغ علم

ابن کثیر کی علمی میدان میں کافی شہرت ہے بالخصوص تفسیر وحدیث وتاریخ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

متن حدیث اور اسمائے رجال کے مطالعہ میں ہمیشہ مشغول رہے، تفسیر قرآن لکھی، احکام ومسائل میں ایک ضخیم کتاب لکھنا شروع کی تھی لیکن مکمل نہ ہوسکی۔تاریخ میں البدایہ والنہایہ مشہور کتاب ہے۔صحیح بخاری کی شرح بھی شروع کی تھی۔نہایت ذہین اور کثیر الاستحضار تھے، زندگی ہی میں تصانیف مشہور ہو چکی تھیں۔

## تفسیر قرآن

تفسیر ابن کثیر کے نام سے مشہور ہوئی اور تفسیر ماثور میں ابن جریر کے بعد شہرت پائی۔ آیات کی تفسیر احادیث وآثار سے کرتے ہیں اور جہاں جرح وتعدیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں نقد رجال سے بھی کام لیتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں ایک طویل مقدمہ بھی ہے جس میں اصول تفسیر سے بحث ہے اور اکثر اپنے استاذ ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے مقدمہ اصول تفسیر سے نقل کیا ہے۔

آیات کی تفسیر میں پہلے آسان اور مختصر زبان میں تفسیر ہے۔پھر احادیث اور اقوال سلف بیان کر کے مزید وضاحت وتائید کرتے ہیں۔بعض اقوال کو بعض پر ترجیح اور بعض پر تضعیف بھی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے ابن تیمیہ کا حق شاگردی ادا کرتے ہوئے ان عقائد

ومسائل کو رواج دینے کی کوشش کی ہے جن کا داعی ابن تیمیہ تھا اور اپنے موقف کے خلاف روایات میں جرح وتنقید جس کا شیوہ تھا۔ظاہر قرآن سے استدلال اور حقائق ومعارف اور تصوف واسرار باطن سے چشم پوشی بلکہ ان کی تردید جس کا مشغلہ تھا،وہ سب کچھ اس تفسیر میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔

لہذا اس تفسیر سے ھدایت کے بجائے خارجیت کی دلدل میں پھنس جانے کا شدید خطرہ ہے،چنانچہ اس کے مطالعہ سے عموما احتراز لازم وضروری ہے۔

## الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن للثعالبی

اس تفسیر کے مصنف ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی جزائری مغربی مالکی ہیں ۔امام حجت،عالم باعمل اور زاہد ومتقی تھے اور عارفین باللہ سے تھے۔اور دنیا واہل دنیا سے ایک گوشہ تنہائی اختیار کرنے والے۔

آپ کے اساتذہ نے بھی آپ کی جلالت علمی اور صلاح فی الدین کی گواہی دی۔جیسے امام آبی اور ولی الدین عراقی وغیرھما۔

خود لکھتے ہیں کہ میں جزائر سے آٹھویں صدی کے اواخر میں طلب علم کے لئے نکلا اور جابیہ پہونچا۔پھر تونس اور پھر مصر کا سفر کیا۔اس کے بعد تونس لوٹ آیا۔اس زمانہ میں تونس میں رہنے والا ہر علم کا شائق میرے حلقۂ درس میں شامل ہوا اور مجھ سے علم حدیث حاصل کیا۔جب میں احادیث بیان کرتا تو قبول کرتے اور میری مرویات کو بغور سنتے۔جب میں مشرق سے آیا تو بعض مغاربہ نے مجھ سے کہا:تم علم حدیث میں ایک نشانی ہو۔

آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جو لوگوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوئیں۔انہیں میں آپ کی یہ تفسیر بھی ہے۔اس کے علاوہ ''الذھب الابریزی فی غرائب القرآن العزیز۔تحفۃ الاخوان فی غرائب بعض آیات القرآن،جامع الاحادیث فی احکام العبادت وغیرہا ہیں۔آپ کا انتقال ۸۷۶ میں ہوا اور جزائر میں مدفون ہوئے۔

## تفسیر جواہر

اس تفسیر کے تعارف میں خود مصنف نے مقدمہ میں تحریر کیا ہے۔ میں نے اس تفسیر میں اپنے اور قارئین کے لئے وہ مفید مضامین درج کئے ہیں جن سے دارین میں دونوں کو راحت وسکون حاصل ہوگا۔

اس میں تفسیر ابن عطیہ کے اہم مضامین درج کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے قواعد ائمہ کی کتب سے نقل ہوئے ہیں جن کی تعداد تقریبا سو ہے۔ یہ تمام کتابیں محققین ومشاہیر کی ہیں، نیز میں نے بعینہ ان کی عبارات نقل کی ہیں۔ اور روایت بالمعنی سے احتراز کیا ہے کہ کہیں مجھ سے روایت بالمعنی کے سبب لغزش نہ واقع ہو۔

پھر کہتے ہیں:

میں نے بخاری ومسلم اور ابوداؤد وترمذی کے علاوہ جن کتابوں سے احادیث نقل کی ہیں ان میں نووی، سلاح المومن، ترغیب وترہیب، تذکرہ، اور مصابیح امام بغوی سے خاص طور پر منقول ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کتاب نفیس حکمتوں اور صحیح وحسن سنن وآثار پر مشتمل ہے۔ اسی لئے اس کا نام الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن ہے۔

مقدمہ تفسیر ابن عطیہ سے ماخوذ ہے جس میں مختلف ابواب قائم کر کے متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان میں فضیلت قرآن، فضیلت تفسیر، مراتب مفسرین، عجمی الفاظ کی قرآن میں شمولیت پر بحث اور قرآن وسور کے اسماء کا تفصیلی بیان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تفسیر از اول تا آخر ابن عطیہ کی تفسیر محرر وجیز سے ماخوذ ہے اور مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

## الدر المنثور فی التفسیر بالماثور للسیوطی

اس کتاب کے مصنف حافظ جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد سیوطی شافعی ہیں جو عظیم محقق اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

ولادت ۸۴۹ھ میں ہوئی۔ ابھی چھ سال کی عمر نہیں ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد ماجد کی وصیت کے مطابق شیخ کمال بن ہمام کی تعلیم و تربیت میں رہے۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم ختم کیا۔ پھر بہت سی کتابوں کے متون حفظ کئے اور کثیر مشائخ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے شاگرد رشید داؤدی نے ایسے شیوخ کی تعداد اکیاون شمار کی ہے۔ اور آپ کی تصانیف اس کثرت سے ہیں کہ آپ کے یہی شاگرد پانچ سو سے زیادہ بیان کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ ہر دن تین جز تصنیف فرماتے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کی تصانیف کو قبول عام حاصل ہوا اور شرق و غرب میں آپ کی تصانیف پھیل گئیں۔

اپنے دور میں اعلم علماء تھے، علم حدیث اور فنون میں یگانہ روزگار۔ سند و متن، جرح و تعدیل رجال اور استنباط احکام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو لاکھ احادیث حفظ کیں، اگر مجھے اس سے زیادہ ملتیں تو وہ بھی یاد کر لیتا۔

چالیس سال کی عمر میں دنیا اور اہل دنیا سے ترک تعلق کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔ افتاء و تدریس کا مشغلہ بھی ترک کر دیا تھا۔ اپنی تصنیف تنفیس میں اس سلسلہ میں ایک معذرت نامہ بھی تحریر کیا ہے۔ روضۂ مقیاس میں گوشہ تنہائی اختیار کر لیا تھا اور وقت وصال تک یہیں مقیم رہے۔ آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔

جمعرات کی صبح ۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں اسی مقام پر وصال ہوا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

## تفسیر در منثور

اس تفسیر کے تعلق سے آپ نے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جب میں نے تفسیر ترجمان القرآن تالیف کی جس میں احادیث و آثار پر ہی بنائے کار رکھی اور بحمدہ تعالیٰ یہ مکمل ہوئی۔ اس میں دس ہزار سے زائد احادیث ہیں۔

لیکن جب میں نے دیکھا کہ لوگ سند کے بجائے صرف متن ہی کے خوگر ہیں اور سندوں کو یاد رکھنے سے ہمتیں قاصر ہو چکی ہیں۔ لہذا میں نے سندوں کو حذف کر کے صرف متن

لکھا اور ہر کتاب کا آخر میں حوالہ لکھ دیا اور اس کتاب کا نام میں نے در منثور رکھا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس کتاب کو ترجمان قرآن سے تلخیص کر کے لکھا ہے۔ اتقان کے آخر میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے ایک تفسیر شروع کی جو تمام تفاسیر منقولہ کو جامع ہو۔ اس میں استنباط واشارات بھی ہوں۔ اور اعراب ولغات بھی۔ بلاغت کے نکات بھی ہوں اور محاسن بدائع بھی، کہ پھر کسی دوسری تفسیر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اس کا نام میں نے مجمع البحرین ومطلع البدرین رکھا اور اتقان کو میں نے اسی کا مقدمہ بنایا۔

لیکن اس تفسیر کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ در منثور سے یہ بات واضح ہے کہ یہ وہ تفسیر نہیں، کیونکہ اس میں محض تفسیری روایات ہیں، نہ روایات میں جرح وتعدیل ہے اور نہ تصحیح وتضعیف۔ بلکہ یہ صرف سلف کی تفاسیر کا باعتبار روایت مجموعہ ہے۔

آپ نے امام بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی۔ مسند احمد، ابوداؤد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، عبد بن حمید اور ابن ابی الدنیا وغیرہم سے تفسیری روایات نقل کی ہیں اور بس۔

لہذا اس میں سب طرح کی احادیث ہیں، بہر حال یہ بات واضح ہے کہ تفاسیر ماثور جن کا تذکرہ اب تک ہوا ان میں یہ ہی تفسیر ایسی ہے جس میں محض روایت پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ مذکورہ بالا تفاسیر میں ہر ایک کے اندر کچھ نہ کچھ رائے اور تفسیر عقلی کو دخل ہے۔

ہم نے ان تمام کتابوں کا ذکر تفاسیر ماثورہ میں محض اس وجہ سے کیا کہ ان کو نقل وروایت میں دوسری تفاسیر کی بہ نسبت زیادہ دخل ہے۔

یہ چند کتابیں ذکر کی گئیں ورنہ ان کے علاوہ بھی بہت کتابیں ہیں، بعض کا صرف نام رہ گیا ہے اور بعض موجود بھی ہیں اور ان سب کا احاطہ نہایت مشکل ہے۔

## تیسرا طریقہ

تفسیر بالرائے اور اس کے متعلقات کی شکل میں رونما ہوا۔ رائے کا اطلاق اعتقاد، اجتہاد اور قیاس پر ہوتا ہے۔ اصحاب قیاس کو اسی لئے اصحاب رائے کہا جاتا ہے۔ یہاں تفسیر بالرائے سے مراد وہ تفسیر ہے جس میں اجتہاد کو دخل ہو۔ لہٰذا تفسیر بالرائے میں مفسر کے لئے

ضروری ہے کہ وہ علم تفسیر کے ان شعبوں کی معرفت رکھتا ہو جن کا بیان گزرا۔

اس کو تفسیر عقلی سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

زمانہ قدیم سے علماء میں اختلاف رہا ہے کہ تفسیر بالرائے جائز ہے یا نہیں۔ لہذا مفسرین کے اس سلسلہ میں دو موقف ہیں، پھر ہر ایک اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کرتا ہے۔

ایک جماعت اس قدر اپنے موقف میں سخت ہے کہ وہ تفسیر کا اہل کسی کو قرار ہی نہیں دیتے خواہ وہ عالم ہو، ادیب ہو، دلائل کی معرفت تامہ رکھتا ہو، فقہ ونحو اور اخبار وآثار کا بخوبی علم رکھتا ہو۔ ہاں تفسیر اسی وقت جائز جب کہ اس کی تفسیر یا تو حدیث رسول کی طرف راجع ہو یا صحابہ وتابعین کے اقوال سے ماخوذ ہو۔

دوسری جماعت کا موقف اس کے برعکس ہے۔ وہ رائے اور اجتہاد کی تفسیر کو مذموم قرار نہیں دیتے۔ بلکہ جو علوم وفنون کا جامع ہو وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے تفسیر کر سکتا ہے۔

دونوں فریق اپنے دعوی کو دلائل وبراہین سے ثابت کرتے ہیں۔

فریق اول:۔ان حضرات کا کہنا ہے کہ تفسیر بالرائے بغیر علم اللہ تعالی کی جناب میں لب کشائی ہے۔ اور یہ ناجائز وحرام ہے۔ لہذا تفسیر بالرائے بھی حرام ہے۔

اس شکل اول کے مقدمہ صغری کی وضاحت اس طرح ہے کہ اپنی رائے سے تفسیر کرنے والا یقین سے نہیں کہتا کہ یہ اللہ تعالی کی مراد ہے۔ یعنی وہ ظن وتخمین سے کہتا ہے۔ اور اللہ تعالی کی ذات وصفات میں ظن وتخمین ناجائز ہے کہ یہ بغیر علم لب کشائی ہے۔

مقدمہ کبری کے اثبات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمو ن۔ (سورۃ الاعراف۔۲۳)

یہ آیت کا ٹکڑا ما قبل میں مذکور محرمات پر معطوف ہے۔ یعنی

قل انما حرم ربی الفوا حش ما ظهر وما بطن ۔(سورۃ الاعراف(۲۳)

اور سورہ اسرا میں یوں فرمایا:

ولا تقف ما ليس لك به علم ۔ (سورة الاسراء (٢٦)

اس دلیل کے جواب میں فریق ثانی یوں کہتا ہے:

ہمیں مذکورہ دلیل کا مقدمہ صغری تسلیم نہیں، اس لئے کہ ظن بھی علم کی ایک قسم ہے، کیونکہ ادراک راجح کا نام ظن ہے۔ اور اگر صغری تسلیم بھی کر لیا جائے تو کبری ممنوع۔ کیونکہ ظن اس وقت ممنوع قرار دیا جاتا ہے جب علم یقینی قطعی تک وصول ممکن ہو۔ کہ نصوص شرعیہ میں سے کوئی نص قطعی موجود ہو یا کوئی ایسی دلیل عقلی جو موجب یقین ہو۔ اور جب ان میں سے کوئی نہ ہو تو ظن کافی ہے۔ کیونکہ یہ خود دلیل قطعی یقینی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

لا يكلف الله نفس الا وسعها" ۔ (سورة البقر ۔ ٢٨٦)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا فرمان شاہد ہے:

جعل الله للمصيب اجرين وللمخطى واحدا ۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا:

فبم تحكم ؟ قال : بكتاب الله ، قال : فان لم تجد ؟قال : بسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ۔ قال: فان لم تجد؟قال : اجتهد برأئى فضرب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فى صدره وقال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لمايرضى رسول الله:۔

فریق اول: تفسیر بالرائے کے بارے میں دوسری دلیل یوں پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وانزلنا اليك الذكر لتبين ۔ (سورۃ النحل ۔ ۴۴)

اس آیت میں بیان قرآن کی نسبت حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جانب ہے، لہذا دوسرے کسی کو معانی قرآن بیان کرنے کی اجازت نہیں۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہاں بلا شبہ حضور کو یہ عظیم کام سپرد ہوا تھا۔ لیکن حضور کا وصال ہوا اور بہت سی چیزوں کو واضح طور پر آپ نے بیان نہیں فرمایا۔ لہذا جن چیزوں کا بیان

آپ سے وارد ہو اس میں تو چون و چرا کی گنجائش نہ رہی۔ لیکن جن چیزوں کو بیان نہیں فرمایا تو اس میں اہل علم کو غور و فکر کی اجازت بلکہ اسی آیت کے آخر میں غور و فکر کی دعوت و ترغیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولعلهم يتفكرون ۔

اور بہت سے دلائل ہیں جو جانبین سے پیش کئے جاتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر تفسیر بالرائے ناجائز ہوتی تو اجتہاد سرے سے باطل قرار پاتا اور پھر بہت سے احکام شرعیہ و مسائل فرعیہ حیز خفا میں رہ جاتے جس سے دینی علوم تعطل کا شکار ہو جاتے۔ لہذا تفسیر بالرائے کو علی الاطلاق ممنوع اور ناجائز قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ جب صحابہ و تابعین خود اپنے اجتہاد و قیاس سے تفسیر قرآن کرتے آئے بلکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ خصوصاً حضرت ابن عباس کے لئے تفسیر قرآن کی توفیق کے سلسلہ میں یوں دعا سے نوازتے رہے:

اللهم فقهه فی الدين و علمه التاويل "

تو پھر کیا شک رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر کس و ناکس کو اس طرح تفسیر کی اجازت نہیں بلکہ صاحبان علم و فضل ہوں جو ان شرائط کو جامع ہوں۔

## تفسیر کے لئے کن علوم کی ضرورت ہے

تفسیر بالرائے کی علمائے کرام نے جن حضرات کو اجازت دی ہے، ضروری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل علوم و فنون کے جامع اور ماہر ہوں۔

(۱) علم لغت۔ اس لئے کہ اس علم کے ذریعہ مفردات الفاظ اور وضع کے اعتبار سے جو ان کے مدلولات و معانی ہیں، وہ معلوم ہوتے ہیں۔

امام مجاہد نے فرمایا:

جو اللہ رب العزت اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ قرآن میں بغیر لغات عرب جانے لب کشائی کرے۔

لہذا زبان عربی میں مہارت تامہ اور تبحر کامل ضروری ہے، تھوڑی بہت عربی دانی کافی نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات لفظ مشترک ہوتا ہے اور مفسر کو ایک ہی معنی معلوم ہیں اور دوسرے اس سے پوشیدہ، اور ان ہی میں سے کوئی مراد تو پھر یہ تفسیر نہیں تحریف وتبدیل ہوگی جب کہ لفظ اس کا محتمل نہ ہو۔ اور محتمل کی صورت میں تاویل قرار پائے گی۔

(۲) علم نحو۔ کہ معنی اعراب کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں، لہذا اعراب کا اعتبار ضروری ہے اور یہ علم نحو سے ہی حاصل ہوگا۔

(۳) علم صرف۔ کیونکہ اس علم کے ذریعہ الفاظ کے صیغے اور وزن معلوم ہوتے ہیں، ابن فارس نے کہا: کہ جس نے یہ علم حاصل نہ کیا اس نے عظیم علم فوت کر دیا۔

امام سیوطی زمخشری سے نقل کر کے بیاں کرتے ہیں: ایک شخص نے آیت کریمہ "یوم ندعو کل انا س بامامھم" میں 'امام' کو 'ام' کی جمع قرار دیا اور کہا کہ قیامت کے دن لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ بلائے جائیں گے باپوں کے ساتھ نہیں۔

لیکن یہ غلط اور نہایت شنیع ہے اور علم صرف سے عدم واقفیت کا نتیجہ۔ کیونکہ 'ام' کی جمع امام نہیں آتی۔

(۴) علم اشتقاق: کیونکہ لفظ جب دو مختلف مادوں سے مشتق ہو تو معنی میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، جیسے فاضل، کبھی فضیلۃ سے اور کبھی فضلۃ سے۔

(۵) علم معانی: کہ تراکیب کلام کی خصوصیات اس حیثیت سے کہ وہ معنی کا افادہ کریں اسی سے معلوم ہوتی ہیں۔

(۶) علم بیان: کہ تراکیب کلام کی خصوصیات اس اعتبار سے کہ معنی میں پوشیدگی اور وضاحت انہیں کے اختلاف سے رونما ہوتی ہے۔

(۷) علم بدیع: تحسین کلام کے طریقے اسی سے معلوم ہوتے ہیں۔

لہذا یہ تینوں علوم مفسر کے لئے نہایت اہم ہیں کہ ان کے ذریعہ قرآن کی اعجازی شان نمایاں ہوتی ہے۔

(۸) علم قرأت: تاکہ مفسر بعض وجوہ محتملہ کو بعض پر ترجیح دے سکے۔

(۹) علم اصول دین: یہ علم کلام ہے۔ اسی علم کے ذریعہ مفسر اللہ جل مجدہ کی ذات وصفات کے شایان شان چیزوں کے بارے میں قرآن عظیم سے استدلال کر سکے گا۔ اور جو لائق شان نہیں ان کی نفی۔ اسی طرح نبوت ورسالت اور قیامت وآخرت کے بارے میں وہ چیزیں بیان کرے گا جو صحیح ہوں گی۔ اور یہ علم نہیں تو پھر گمراہی وبے دینی میں مبتلا ہوگا۔

(۱۰) علم اصول فقہ: اس لئے کہ اس علم کے ذریعہ مفسر یہ جانتا ہے کہ کس طرح آیات سے احکام شرعیہ کا استنباط کیا جائے اور کیسے ان پر دلیل قائم کی جائے۔ اسی علم سے اجمال وبیان، عام وخاص اور مطلق ومقید کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی سے امر ونہی وغیرہما کی معنی مراد پر دلالت سمجھی جاتی ہے۔

(۱۱) علم اسباب نزول: اس کے ذریعہ آیات کا شان نزول معلوم ہوتا ہے جس کے ذریعہ مراد الٰہی معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(۱۲) علم قصص: اس لئے کہ جب کسی قصہ کا تفصیلی علم ہوتا ہے تو وہ قرآن کے اجمالی بیان کو سمجھانے میں معین ومددگار ثابت ہوتا ہے۔

(۱۳) علم ناسخ ومنسوخ: اس علم کے ذریعہ محکم آیات معلوم ہوتی ہیں، جو اس سے غافل رہتا ہے تو وہ بسا اوقات منسوخ حکم پر فیصلہ سناتا ہے اور خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

(۱۴) ان احادیث کا علم جو مجمل ومبہم آیات کو بیان کرتی ہیں۔ تا کہ مشکل مقامات کی توضیح ہو سکے۔

(۱۵) علم موھبہ: یہ ایسا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم باعمل کو عطا فرماتا ہے اور اسی کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔

"واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ"۔ (سورۃ البقرۃ ۲۸۲)

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم" عالم باعمل کو اللہ تعالیٰ ایسے علوم کا

حامل بنا دیتا ہے جو اس نے اپنے کسب سے حاصل نہیں کیے۔

امام سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان علوم کو شمار کرا کے جو مفسر کے لئے ضروری ہیں آخر میں فرمایا:

شاید اس علم وہبی کے سلسلہ میں تمہیں یہ اشکال پیش آئے کہ یہ تو ایسا علم ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس علم کو حاصل کرنے کے لئے ایسی چیزوں کو اپنانا ضروری ہے جو عمل وزھد کا سبب ہیں۔

امام زرکشی ''البرھان فی علوم القرآن'' میں فرماتے ہیں: واضح رہے کہ وحی اور اس کے اسرار اس شخص کو حاصل نہیں ہوتے جس کے دل میں بدعت، کبر، ہوائے نفس، حب دنیا، ایمان پر عدم ثبات، ضعف ایمان، وغیرہ یا صفات مذمومہ ہوں۔ یا کسی بے علم نام نہاد مفسر کے قول پر اعتماد رکھتا ہو۔ یا محض اپنی عقل پر بھروسہ رکھتا ہو۔ ایسے شخص کے لئے یہ تمام چیزیں کشف اسرار اور رموز وحی سے انکشاف میں مانع اور آڑ بن جاتی ہیں۔ اس آیت میں اسی معنی کے طرف اشارہ ہے:

سا صرف عن آ یا تی الذین یتکبرو ن فی الا ر ض بغیر الحق“

امام ابن عیینہ فرماتے ہیں:

ایسے لوگوں سے قرآن فہمی سلب کر لی جاتی ہے۔

یہ وہ علوم ہے جن کو علمائے کرام نے فہم قرآن کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ پھر بھی انہی علوم میں تفسیر منحصر نہیں۔

## مصادر تفسیر

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فریقین کے درمیان تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں جو اختلافات ہیں درحقیقت وہ لفظی ہیں حقیقی نہیں۔ کیونکہ مجوزین بھی تفسیر بالرائے کی دو قسم بیان کرتے ہیں۔

ایک قسم جائز۔ دوسری ناجائز۔

مندرجہ بالا علوم کے حامل اشخاص اس بات کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے اجتہاد وقیاس سے تفسیر کریں۔ باقی لوگ اس سے محترز رہیں۔

جن حضرات کو تفسیر بالرائے کی اجازت ہے ان پر بھی لازم ہے کہ تفسیر کے وقت ان مصادر کا بھی لحاظ رکھیں جن کی ترتیب اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

اولاً: خود قرآن عظیم کی طرف رجوع کیا جائے۔ یعنی قرآن کریم میں بغور تلاش کیا جائے کہ اس مضمون کی کوئی دوسری آیت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس طرح کی تمام آیتوں کو یکجا کر کے دیکھا جائے کہ کہاں اجمال ہے اور کہاں تفصیل۔ لہذا مجمل کو مفسر پر محمول کر کے تفسیر کی جائے۔ یہ تفسیر القرآن بالقرآن کہلاتی ہے۔ اگر ایسے مقامات پر بھی محض رائے اور قیاس سے کام لیا تو یہ تفسیر بالرائے ہوگی جو مذموم ہے۔

ثانیاً: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول تفسیری روایات کی طرف رجوع کیا جائے لیکن حتی الامکان ضعیف روایات سے محترز رہے، اور موضوع روایات کو ہرگز جگہ نہ دے، اور تفسیر میں اس طرح کی روایات بھی کافی تعداد میں شامل ہوگئی ہیں۔ لہذا جب تک صحیح احادیث سے تفسیر ممکن اس وقت تک تفسیر بالرائے کی ہرگز اجازت نہیں۔

ثالثاً: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جو کچھ تفسیر میں صحیح نقل سے ثابت ہوا اس پر بھی عمل ضروری ہے، لیکن ہر قول پر اعتماد نہیں، کیونکہ تفسیری روایات میں صحابہ کی طرف بہت کچھ غلط منسوب کیا گیا ہے۔ البتہ جب صحیح نقل سے ثابت ہو جائے تو ان روایات و تفسیرات پر عمل لازم۔ کہ وہ اللہ کی کتاب کو بعد کے لوگوں سے زیادہ جاننے والے۔ اسرار و نزول سے باخبر، کیونکہ انہوں نے قرآنی آیات کے شان نزول، قرائن و احوال کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ پھر ان کو علم صحیح اور کامل سمجھ کی دولت بھی ملی تھی، بالخصوص خلفائے اربعہ، ابن مسعود، ابی بن کعب، اور ابن عباس وغیرہم کو۔ تفصیل پہلے گذر چکی۔

رابعاً: لغت عربیہ اور قواعد شرعیہ کا لحاظ ضرور کیا جائے، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور اللہ کے رسول حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت ابن عباس کے لئے جو دعا

فرمائی اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اصول شریعت کی روشنی میں قرآن عظیم کا علم اور دین کی سمجھ عطا فرما۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے ایک مرتبہ عرض کیا گیا:
کیا آپ کے پاس قرآن کے بعد حضور کی جانب سے کچھ اور بھی ہے تو آپ نے فرمایا:
اللہ رب العزت کی قسم، اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ کسی کو قرآن کی سمجھ عطا فرمائے۔
یہ ہی وجہ ہے کہ صحابہ بعض آیات کے افہام وتفہیم میں مختلف ہوئے، جس کی عقل وسمجھ اور نظر وفکر جہاں تک پہونچی انہوں نے وہی بیان کیا۔

## مفسر کو جن امور سے اجتناب ضروری ہے

چند چیزیں وہ ہیں جن سے مفسر کو احتراز لازم ہے تاکہ اس سے خطا واقع نہ ہو اور ان لوگوں میں اس کا شمار نہ ہونے لگے جو قرآن میں اپنی فاسد رائے کو دخل دیتے ہیں۔ ان میں بعض یہ ہیں۔

(۱) لغت وزبان کے قوانین اور شریعت کے اصول کو جانے بغیر مراد الٰہی کو بیان کرنے پر جرأت کرنا۔ اور علوم تفسیر حاصل کئے بغیر تفسیر بیان کرنا۔

(۲) اللہ تعالی نے جن چیزوں کی مراد کو پوشیدہ رکھا اس میں غور وخوض کرنا۔ جیسے آیات متشابہات کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا اللہ کی عطا سے اس کے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جانتے ہیں۔ کہ ان کو اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے چھپایا۔

(۳) اپنی خواہش نفس سے تفسیر کرنا۔ یا محض اٹکل سے کسی معنی کو ترجیح دینا۔

(۴) ایسی تفسیر کرنا جو کسی مذہب فاسد کو ثابت کرے۔ یعنی مذہب کو اصل قرار دے کر تفسیر کو اس کے تابع قرار دینا۔ اس طرح کی تاویل بیان کرنے میں حیلہ بہانہ تلاش کرنا اور جس طرح بن پڑے اپنے مذہب کے مطابق تفسیر کر لینا، اگر چہ وہ معنی غریب وبعید ہی کیوں نہ ہوں۔

(۵) بغیر دلیل اللہ تعالی کی مراد کو قطعی طور پر بیان کرنا کہ یہ ہی ہے کیونکہ یہ ناجائز ہے۔

ان تمام چیزون سے احتراز لازم وضروری ہے۔

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے کہ تفسیر بالرائے کی ایک صورت وہ ہے جو قطعاً جائز ہے اور بہت سے مفسرین نے اس طریقہ کو اپنایا، بے شمار تفسیریں اس نہج پر منصۂ شہود پر جلوگر ہوئیں بعض کتابیں جو زیادہ مشہور ہوئیں وہ یہ ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) | ابوعبداللہ محمد بن عمر ملقب بہ فخر الدین الرازی | ۶۰۶ھ |
| انوار التنزیل واسرار التاویل | ابوالخیر محمد بن علی البیضاوی الشافعی | ۶۹۱ھ |
| مدارک التنزیل وحقائق التاویل | ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی | ۷۰۱ھ |
| لباب التاویل فی معانی التنزیل | ابوالحسن علی بن محمد البغدادی المعروف بالخازن | ۷۴۱ھ |
| البحر المحیط | ابوعبداللہ محمد بن یوسف الاندلسی الحیانی | ۷۴۵ھ |
| غرائب القرآن ورغائب الفرقان | نظام الدین بن الحسن الخراسانی النیسا فوری | ۸۵۰ھ |
| تفسیر الجلالین | محمد بن احمد جلال الدین المحلی الشافعی | ۸۶۴ھ |
| // | ابوالفضل عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی | ۹۱۱ھ |
| سراج المنیر | شمس الدین محمد بن محمد اشربینی القاھری | ۹۷۷ھ |
| ارشاد العقل السلیم | ابوالسعو د محمد بن محمد العمادی الحنفی | ۸۹۳ھ |
| روح المعانی | ابوالثناء محمود الآلوسی البغدادی | ۱۲۷۰ھ |
| روح البیان | الشیخ العارف الکامل اسمٰعیل الآفندی الحنفی | تقریباً ۱۲۰۰ھ |

ان تمام کتب کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں

## مفاتیح الغیب للرازی

اس کتاب کے مصنف ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین بن حسنین علی تمیمی بکری طبرستانی رازی ہیں۔آپ کا لقب فخر الدین ہے، ابن خطیب شافعی اور امام رازی سے مشہور ہیں۔

آپ کی ولادت ۵۴۴ھ میں ہوئی۔فرید عصر اور متکلم زمانہ تھے۔بہت سے علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔تفسیر وکلام میں اور علوم عقلیہ ولغت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔آپ کی بارگاہ میں دور دراز سے اہل علم حاضر ہوتے اور اکتساب علم میں مشغول رہتے۔

آپ نے اپنے والد ضیاء الدین عمر بن حسین خطیب رازی سے علم حاصل کیا، پھر کمال سمعانی، مجد جیلی اور بہت سے ہم عصر علماء سے اخذ علم کیا۔ علمی شہرت کے ساتھ آپ کو وعظ وتذکیر میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ عربی و عجمی دونوں زبانوں میں وعظ کہتے اور دوران وعظ آپ کو وجد طاری ہوتا اور گریہ وزاری فرماتے۔

آپ نے اپنی یادگار میں مختلف علوم وفنون میں تصانیف چھوڑیں اور پوری دنیا میں یہ کتابیں پھیل گئیں اوران کتابوں کوایسی قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ متقدمین کی بہت سی کتابوں سے لوگ بے نیاز ہوگئے اور آپ کی کتابوں میں مشغول ہوئے۔

آپ کی تصانیف میں اہمیت کی حامل تفسیر کبیر ہے۔ جس کا نام آپ نے مفاتیح الغیب رکھا۔ ساتھ ہی سورۂ فاتحہ کی مستقل تفسیر بھی ایک جلد میں لکھی جواب تفسیر کبیر کے شروع میں ضم کردی گئی ہے۔ علم کلام میں مطالب عالیہ، ردومناظرہ میں کتاب البیان والبرھان، اصول فقہ میں المحصول، حکمت وفلسفہ میں ملخص شرح اشارات اور شرح عیون الحکمت، طلسمات میں اسرارالمکنون، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ زمخشری کی مفصل کی شرح ہے۔ فقہ میں امام غزالی کی وجیز کی شرح، اوران کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امام رازی کا وصال ۶۰۶ھ میں مقام رے میں ہوا۔ وصال کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ کے اور فرقہ کرامیہ کے درمیان ایک زمانہ تک بحث ومناظرہ رہا، آخر میں کرامیہ گروہ کے ایک شخص نے آپ کو زہر دے دیا جس سے آپ کا انتقال ہوگیا۔

## تفسیر کبیر

یہ تفسیر آٹھ ضخیم جلدوں میں طبع ہوکر مقبول انام ہے، لیکن بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ نے یہ تفسیر مکمل نہیں کی تھی کہ وصال ہوگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ پھر اس کو مکمل کس نے کیا۔ اس میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ امام رازی نے کہاں تک تفسیر لکھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی دررکامنہ میں لکھتے ہیں: کہ اس کی تکمیل احمد بن محمد بن ابی الحزم

نجم الدین مخزومی قمولی نے کی اور ان کا وصال ۷۲۷ھ میں ہوا۔

اور صاحب کشف الظنون کہتے ہیں: کہ شیخ نجم الدین احمد بن محمد قمولی نے اس کا تکملہ لکھا اور ان کا وصال بھی ۷۲۷ھ میں ہوا۔ لیکن یہ بھی مکمل نہ کر سکے تو قاضی القضاۃ شہاب الدین بن خلیل خوبی دمشقی نے اس کو مکمل کیا اور ان کا انتقال ۷۲۹ھ میں ہوا۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام رازی نے کہاں تک تفسیر لکھی تھی۔ سید مرتضی زبیدی شرح شفا سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ سورۃ الانبیاء تک آپ نے لکھی تھی۔

اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۃ الواقعہ کی تفسیر میں مرقوم ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

المسالة الاولی اصولیة ذکر ها الامام فخر الدین رحمه الله فی مواضع کثیرة ونحن نذکر بعضها ۔

یہ عبارت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امام رازی اس سورت کی تفسیر تک نہیں پہونچے۔

ہاں اس کے معارض سورۂ مائدہ کی تفسیر میں آپ کا وہ بیان ہے جو اس طرح ہے کہ امام رازی وضو میں نیت کو شرط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورۃ البینہ میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وماامرو الالیعبدوا الله مخلصین له الدین ۔ (سوۃ البینہ۔۵۔)

اس آیت میں اخلاص کا مطلب نیت ہے اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں نیت کے شرط ہونے کی مکمل تحقیق کی ہے۔ لہذا مزید اطمینان کے لئے اس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

امام رازی کے اس بیان سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ آپ نے کم از کم تیسویں پارہ کی سورۃ البینہ تک تفسیر لکھی۔

ان تمام اختلافات کو اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے کہ خود امام رازی نے تو سورۃ الانبیاء تک ہی تفسیر لکھی تھی، پھر ان کے بعد نجم الدین مخزومی نے اس کی تکمیل کا ارادہ کیا لیکن وہ بھی مکمل

نہ کر سکے اور آخر میں شہاب الدین خوبی نے اس کو مکمل کیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا تکملہ جدا جدا ہو۔

اور سورۃ البینہ کے سلسلہ میں جو کچھ بیان ہوا وہ اس امر میں صریح نہیں کہ آپ تفسیر کرتے ہوئے وہاں تک پہونچے، بلکہ اس چیز کا احتمال موجود ہے کہ آپ نے اس کی مستقل علیحدہ تفسیر کی ہو جیسا کہ آپ کے الفاظ خود اس جانب مشیر ہیں۔ کیونکہ سورۃ المائدہ میں آپ نے یوں فرمایا:

وقد حققنا الكلام فی هذا الدليل الخ۔

یہ عبارت بتارہی ہے کہ آپ سورۃ المائدہ کی تفسیر سے پہلے سورۃ البینہ کی تفسیر لکھ چکے تھے اور وہ تفسیر مستقل ہی رہی ہوگی۔

ان تمام چیزوں کے باوجود تفسیر کبیر پڑھنے والا جانتا ہے کہ اسلوب بیان، شکوہ الفاظ، اور قوت دلائل کے اعتبار سے پوری کتاب یکساں ہے، اصل اور تکملہ میں فرق کرنا مشکل ہے۔ اسی لئے حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے کہاں تک تفسیر لکھی تھی۔

یہ تفسیر علوم وفنون کا بحر بیکراں ہے۔ آیات اور سورت کے درمیان ترتیب وارمناسبت خوب بیان کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات متعدد مناسبتیں بتاتے ہیں۔ علوم ریاضیہ وطبعیہ، علم کلام، معتزلہ کے شبہات اور ان کا رد، آیات احکام میں فقہا کا مسلک، اور پھر فقہ شافعی کی برتری، مسائل اصولیہ، مسائل نحویہ اور بلاغت وغیرہ کے مسائل تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم کلام اور علوم طبعیہ کا گویا یہ انسائیکلو پیڈیا ہے۔

اسی لئے صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کو حکماء وفلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا ہے۔ اور ابوحیان نے تو بحر محیط میں یہاں تک کہا کہ اس تفسیر میں ایسی باتیں بھری پڑی ہیں جن کی علم تفسیر میں حاجت نہیں، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا: اس تفسیر میں علم تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔

## مدارک التنزیل وحقائق التاویل للنسفی

اس تفسیر کے مصنف ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی ہیں۔متاخرین علماء میں زہد وورع کے مالک اور معتمد شمار ہوتے ہیں۔امام کامل،فقہ واصول میں ماہر،حدیث اوراس کے مطالب بیان کرنے میں فائق اور کتاب اللہ کی بصیرت تامہ رکھتے تھے۔فقہ واصول میں آپ کی تصانیف نہایت معتبر ومفید شمار ہوتی ہیں۔

آپ کی تصانیف میں متن وافی اوراس کی شرح کافی،کنزالدقائق فقہ میں،منار اصول فقہ میں،عمدہ اصول دین وعقائد میں،اورمدارک التنزیل تفسیر میں۔

آپ کا وصال ۷۰۱ھ میں ہوا۔شہرایذج،میں جوبکرستان کا شہر ہے دفن ہوئے۔رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا۔

## تفسیر مدارک

یہ تفسیر دراصل تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف کا اختصار اور تلخیص ہے،ہاں کشاف میں جو معتزلہ کے استدلالات تھے ان کو ترک کر کے خالص مذہب اہل سنت وجماعت کی پیروی کرتے ہیں۔تفسیر میں اعتدال کی راہ اپناتے ہیں۔نہ بہت طویل اور نہ بالکل مختصر،بلیغ نکات اور محسنات بدیعہ بھی بیان کرتے ہیں اور معانی دقیقہ خفیہ کی وضاحت فرماتے ہیں۔زمخشری کی تفسیر میں جو سوال جواب ہیں ان کو بھی اجمالا بیان کرتے جاتے ہیں۔زمخشری نے فضائل سور میں جو احادیث موضوع بیان کی تھیں ان کو آپ نے یکسر حذف کردیا ہے۔

مسائل نحویہ کا ذکر بھی کہیں کرتے ہیں لیکن زیادہ تفصیل سے نہیں۔قرآت سبعہ متواترہ بھی التزاما بیان فرماتے ہیں۔

اسی طرح آیات احکام میں فقہی مذاہب کا بیان بھی اختصارا کرتے ہیں،اور مذہب حنفی کی نصرت وحمایت میں کلام فرماتے ہیں۔

اسرائیلی روایات کو بہت کم ذکر کرتے ہیں اور جہاں کہیں تذکرہ آتا ہے تو اس پر جرح ونقد بھی فرماتے ہیں،البتہ کبھی خاموشی سے بھی نکل جاتے ہیں۔لیکن یہ اسی مقام پر جہاں کسی

عقیدہ پر زد نہ پڑتی ہو۔ اور جب عقائد اور اصول دین کی بات آتی ہے تو اسرائیلی روایات کا شدت سے تعاقب فرماتے ہیں۔

چار جلدوں میں یہ کتاب متداول ہے اور اکثر مدارس دینیہ میں داخل نصاب ہے۔

## لباب التاویل فی معانی التنزیل للخازن

اس کتاب کے مصنف ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل شیخی بغدادی شافعی صوفی ہیں۔ لقب علاء الدین اور خازن سے مشہور ہوئے۔ اس لئے کہ آپ دمشق کی خانقاہ سیساطیہ کے کتب خانہ کے خازن تھے۔

بغداد میں ۶۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہاں ابن دوالیبی سے علم حاصل کیا۔ پھر دمشق آئے اور قاسم بن مظفر اور وزیرہ بنت عمر سے استفادہ کیا اور بہت مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابن قاضی کہتے ہیں: کہ آپ ان اہل علم سے تھے جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں لکھیں۔ انہیں تصانیف میں یہ تفسیر بھی ہے۔ اس کے علاوہ شرح عمدۃ الاحکام ہے۔ اور مقتول المنقول دس جلدوں میں صحاح ستہ، موطا، مسند احمد، مسند شافعی، اور سنن دار قطنی کا مجموعہ ہے جس کو آپ نے ابواب پر مرتب کیا ہے۔ سیرت نبوی پر بھی ایک طویل کتاب آپ نے تحریر فرمائی۔ آپ اچھے اخلاق، ہنس مکھ، لوگوں سے میل جول رکھنے والے صوفی بزرگ تھے۔

آپ کا وصال ۷۴۱ھ میں بمقام حلب ہو۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

## تفسیر خازن

آپ نے یہ تفسیر معالم التنزیل سے اختصار کر کے لکھی۔ ساتھ ہی سابقہ تفاسیر کا خلاصہ اور نچوڑ بھی پیش کیا۔ خود فرماتے ہیں:

میرا اس میں کچھ نہیں، ہاں نقل وانتخاب اور حذف اسانید سے میں نے کام لیا ہے اور تطویل واسہاب سے اجتناب کیا ہے۔

پھر کہتے ہیں: میں نے تفسیر آیات میں جو احادیث پیش کی ہیں تو وہ اس لئے ہیں کہ

سنت رسول کتاب اللہ کا بیان ہے، اور اس پر شرع اور احکام دین کی بنیاد ہے۔ ساتھ ہی میں نے ان احادیث کا حوالہ بھی پیش کر دیا ہے۔ اور حوالہ دیتے وقت اشاریہ قائم کیا ہے۔ لہذا صحیح بخاری کے لئے (خ) اور صحیح مسلم کے لئے (م) اور جس کی تخریج پر دونوں متفق ہوں اس کے لئے (ق) لکھ دیا ہے۔ ہاں ان کے علاوہ سنن کی کتابیں جیسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہا تو ان کا نام صراحۃً ذکر کیا ہے۔ اور جن کی سند نہیں ملی اور امام بغوی نے ان کو اپنی سند سے روایت کیا تو ایسے مقام پر میں ان کا نام لیتا ہوں۔

آپ نے اس تفسیر میں بہت سی اسرائیلی روایتیں اور واقعات بھی ذکر کئے ہیں جن کو آپ نے بعض تفاسیر سے نقل کیا ہے۔ جیسے تفسیر ثعلبی وغیرہ، لیکن ان پر اکثر مقامات میں تعاقب نہیں فرمایا۔ ہاں بعض جگہوں پر ضعف اور کذب کی جانب اشارہ کیا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے غزوات کی جانب اشارہ ہے تو آپ نے ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور جب آیات احکام کی تفسیر کا موقع آتا ہے تو فقہی مسائل اور مذاہب فقہاء مع دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر اس تفسیر میں پند وموعظت اور زہد ورقائق سے متعلق بھی نفیس بیانات ہیں اور اس سلسلہ میں ترغیب وترتیب پر مشتمل احادیث ذکر فرماتے ہیں۔ غرض کہ اس طرح کے اس تفسیر میں بہت سے علمی موضوعات ہیں۔

## البحر المحیط لأبی حیان

اس کتاب کے مصنف ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اندلسی غرناطی حیانی ہیں۔ لقب اثیر الدین اور ابوحیان سے مشہور ہیں۔ ولادت ۶۵۴ھ میں ہوئی۔

قرآن کریم عبدالحق بن علی خطیب سے پڑھا، پھر ابوجعفر بن طباع خطیب سے پھر حافظ ابوعلی بن ابی احوص سے۔ اور علم قرآت میں کمال حاصل کیا۔

اندلس وافریقہ کے متعدد شہروں میں بہت سے علماء سے اکتساب علم کیا۔ پھر اسکندریہ آکر عبدالنصیر بن علی الدیوطی اور ابوطاہر اسمعیل بن عبداللہ تلیجی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آخر میں شیخ بہاء الدین بن نحاس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں کے ہو رہے اور ادب کی بہت سی

کتابیں پڑھیں۔

کہتے ہیں: میں نے چار سو پچاس مشائخ سے علم حاصل کیا۔ اور جن حضرات نے مجھے اجازت دی ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔

صفدی کا بیان ہے: کہ میں نے ہمیشہ آپ کو علم کی سماعت، کتاب کا مطالعہ اور حصول علم میں مشغول پایا۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی آپ کو خالی نہیں دیکھا۔

آپ شعر وادب، نحو وصرف اور لغت میں امام مطلق تھے، اس کے ساتھ ہی تفسیر وحدیث اور اسمائے رجال کی معرفت میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔

آپ سے بے شمار لوگوں نے علم حاصل کیا حتی کہ آپ کے بہت سے تلامذہ آپ کی حیات ہی میں علم وفن کے امام ہو گئے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں جو آپ کی زندگی ہی میں پھیل گئی تھیں۔ اور وصال کے بعد بھی ان کو قبولیت عامہ حاصل رہی۔ تمام تصانف میں اہم یہ ہی تفسیر بحر محیط ہے۔

اسکے علاوہ غرائب القرآن ایک جلد میں، شرح تسہیل، نہایۃ الاعراب، خلاصۃ البیان، آپ شروع میں ظاہری المذہب تھے، اس کے بعد اس سے رجوع کر کے شافعی المسلک ہو گئے تھے، فلسفہ سے بہت دور رہتے اور معتزلہ ومجسمہ سے برأت ظاہر فرماتے، سلف کے طریقہ پر گامزن تھے۔

آپ کا وصال ۷۴۵ھ میں بمقام مصر ہوا۔

## تفسیر بحر محیط

یہ تفسیر آٹھ ضخیم جلدوں میں مطبوع ومتداول ہے۔ وجوہ اعراب بتانے میں اپنی مثال آپ ہے۔ مصنف نے مباحث نحو یہ جو آیات قرآنیہ سے متعلق ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، بلکہ حق بات یہ ہے کہ ان بحثوں کے پیش نظر کتاب علم تفسیر کی بہ نسبت علم نحو کے زیادہ قریب پہونچ گئی ہے۔ اس کے باوجود آپ نے تفسیری علوم کو اختیار کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ لہذا مفردات کے معانی لغویہ بھی بیان کرتے ہیں اور اسباب نزول بھی، ناسخ ومنسوخ کی نشاندھی

بھی کرتے ہیں اور علم قرآت مع توجیہات بھی، علم بلاغت اور احکام فقہیہ کا بھی بیان ہے اور سلف وخلف کے اقوال تفسیر یہ بھی، آیات کے درمیان مناسبت وارتباط بھی اور بعض مقامات پر تفسیر صوفیانہ بھی۔

غرض کہ آپ نے سمندر کو کوزہ میں بھرنے کی مثال پیش کی ہے۔ درحقیقت یہ کتاب مصنف نے اپنے شیخ جمال الدین ابوعبداللہ محمد سلیمان بن حسن بن حسین مقدسی معروف بابن النقیب کی تفسیر "کتاب التحریر و التحبیر لا قوال ائمة التفسیر" سے اخذ کی ہے جو اس فن کی نہایت ضخیم کتاب ہے اور سو جلدوں پر مشتمل ہے۔

## غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنیسابوری

اس کتاب کے مصنف مشہور امام علامہ نظام الدین بن حسن بن محمد بن حسین خراسانی نیشاپوری ہیں، جو نظام اعرج سے مشہور ہیں۔ آپ کے اہل خاندان کا اصل وطن "قم" تھا، لیکن آپ کی نشو ونما شہر نیشاپور میں ہوئی۔ آپ نیشاپور کے اساطین علم میں شمار ہوتے تھے۔ علوم عقلیہ اور فنون عربیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انشاء اور علم تفسیر میں ید طولیٰ حاصل تھا، حفاظ وقراء کے درمیان عظیم مقام کے حامل تھے اور تقوی وطہارت میں شہرت کے مالک۔

آپ نے اپنی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ان میں ابن حاجب کی شافیہ کی شرح، طوسی کی تذکرۂ خواجہ کی شرح جو علم ہیئت میں ہے اور اس کا نام توضیح التذکرہ رکھا، رسائل فی علم ابواب، اوقاف قرآن، اور سب سے اہم تصنیف یہی تفسیر غرائب القرآن ہے۔

آپ کا وصال ۷۳۰ھ میں ہوا۔ علامہ میر سید شریف جرجانی، علامہ جلال الدین دوانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی آپ کے ہم عصر تھے۔

## تفسیر غرائب القرآن

آپ نے یہ کتاب امام رازی کی تفسیر سے اختصار کر کے لکھی۔ بعض مقامات پر کشاف سے بھی مضامین اخذ کئے ہیں۔ آپ کا تفسیری اسلوب یہ ہے کہ پہلا علم قرآت کا ذکر کرتے ہیں اور ائمہ قراء میں ہر ایک کی طرف قرأت کی نسبت بتاتے ہیں، پھر اوقاف اور ان کے وجوہ بیان

کرتے ہیں، اس کے بعد آیات میں ربط و مناسبت ذکر کرتے ہیں، پھر معانی کا نہایت عمدہ انداز میں بیان کرتے ہیں، اسی طرح مقدر الفاظ کو ظاہر کرتے ہیں، متشابہات کی تاویل کرتے ہیں، کنایات کی تصریح فرماتے ہیں، مجاز واستعارات کی تحقیق پیش فرماتے ہیں اور مذاہب فقہیہ کی مع دلائل تفصیل کرتے ہیں، مسائل کلامیہ بیان کرتے وقت اہل سنت اور دیگر فرقوں کے مذاہب بیان کرتے ہیں اور پھر اہل سنت و جماعت کی نصرت وحمایت اور تائید و تقویت میں دلائل قائم فرماتے ہیں، مسائل فلسفیہ وکونیہ سے بھی تعرض فرماتے ہیں اور جہاں ایسا موقع آتا ہے وہاں اس طرح کی توضیحات بھی ملتی ہیں مثال کے طور پر۔

اللہ یتو فی الانفس حین مو تھا ۔ (سورۃ الزمر ۔۴۲)

اس آیت میں فرماتے ہیں کہ حکمائے اسلام کا قول ہے کہ نفس انسانی جو نورانی ہے کہ جب بدن سے متعلق ہوتا ہے تو تمام ظاہری اور باطنی اعضا کو روشن کردیتا ہے، اسی کا نام حیات اور بیداری ہے۔ ہاں نیند آتے وقت صرف باطنی بدن پر اس کی ضیاء پڑتی ہے اور ظاہری بدن سے منقطع ہوجاتی ہے۔ لہذا نفس حیات تو باقی رہتی ہے اور باطن کے قوی اپنے عمل میں مشغول رہتے ہیں اور جب یہ روشنی بالکلیہ زائل ہوجاتی ہے تو اسی کا نام موت ہے۔

اس طرح کی توضیحات آپ نے امام رازی کی اتباع میں کی ہیں، ورنہ بہت سے مقامات پر آپ امام موصوف سے خوش نظر نہیں آتے اور ان کے بہت سے اقوال کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد جب آیت کی تفسیر سے فارغ ہوجاتے ہیں تو آیت کی تاویل کی جانب رخ کرتے ہیں اور آیات کی تفسیرات اشاریہ پیش کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل حقیقت صوفیائے کرام کی عقول عارفہ پر منکشف فرمایا۔ چونکہ آپ خود بھی بڑے صوفی تھے لہذا درمیان تفسیر قیمتی حکمتوں اور انمول مواعظ سے قارئین کو نوازتے ہیں۔

آپ پر بعض لوگوں نے تشیع کی تہمت بھی لگائی ہے لیکن آپ اپنی تفسیر میں شیعہ اور روافض کا بھرپور رد فرماتے ہیں۔ خاص طور پر سورۂ مائدہ کی تفسیر میں آپ نے شیعہ اور روافض کے ان استدلات کی دھجیاں اڑادیں جن کو وہ حضرت علی کی خلافت بلافصل میں ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ خود تفسیر کے اختتام پر فرماتے ہیں کہ میں پوری تفسیر میں مذہب اہل سنت و جماعت کی طرف

ہی مائل رہا ہوں۔

## تفسیر الجلالین

اس تفسیر کے مصنف دو عظیم وجلیل امام ہیں۔ یعنی جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی۔ امام سیوطی کا تذکرہ تو درمنثور کے بیان میں گذرا۔ اور امام جلال الدین محلی محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم شافعی تفتازانی ہیں۔ آپ کی ولادت ۷۹۱ھ میں ہوئی۔

فنون عقلیہ ونقلیہ میں مہارت حاصل کی۔ بدرالدین محمود اقصرائی، برہان بیجوری، شمس بساطی، علامہ بخاری وغیرہم سے علوم حاصل کئے۔ ذہانت وفطانت میں بے مثل تھے۔ اپنے دور میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، زہد وورع اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں عظیم مقام رکھتے تھے۔ حق بات بلاخوف لومتہ لائم بیان فرماتے، بڑے بڑے ظالم وجابر حکام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے، حکام وقت آپ کو اپنے یہاں آنے کی درخواست کرتے لیکن آپ کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ طبیعت میں دینی حدت تھی اور کبھی مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے۔

عہد قضاء آپ پر پیش کیا گیا لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا، مدۃ العمر مؤیدہ اور برقونیہ شہروں میں فقہ کی تعلیم میں مشغول رہے، ذریعہ معاش کے لئے تجارت کرتے اور باقی اوقات کتابیں تصنیف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف مختصر اور حشو وزوائد سے پاک ہوتیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کو قبول عام حاصل ہوا اور درس میں داخل ہوئیں۔

آپ کی تصانیف میں شرح جمع الجوامع اصول میں، شرح منہاج فقہ شافعی میں، شرح ورقات اصول میں، اور یہ تفسیر۔

آپ کا وصال یکم محرم ۸۶۴ھ کو ہوا۔ اور باب نصر کے پاس ایک مجمع نے نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

### تفسیر

آپ نے سورۂ کہف سے تفسیر کا آغاز کیا اور آخر تک لکھی، اس کے بعد سورۂ فاتحہ کی تفسیر تحریر فرمائی، اس کے بعد ہی آپ کا وصال ہوگیا۔ اور آپ یہ کام مکمل نہ کر سکے۔

آپ کے بعد امام جلال الدین سیوطی آئے اور آپ نے سورۂ بقرہ سے سورۂ اسرا تک مکمل تفسیر لکھی۔ اس طرح یہ تفسیر پورے قرآن کی مکمل ہوئی اور دونوں کے نام سے منسوب ہو کر جلالین کہلائی۔

اب سوال یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کس نے لکھی۔ اس سلسلہ میں صاحب کشف الظنون کا کہنا ہے کہ امام محلی نے نہیں کی بلکہ انھوں نے تو اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ بھی لکھی کہ سورۂ بقرہ سے اسرا تک امام محلی کی ہے۔ حالانکہ یہ صراحۃً خلاف واقع اور خود امام سیوطی کی صراحت کے خلاف ہے۔ وہ خود سورۂ بقرہ کی تفسیر سے پہلے دیباچہ میں فرماتے ہیں: کہ یہ امام محلی کی تفسیر کا تکملہ ہے اور سورۂ اسرا کے آخر میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں۔ اب یہ بات رہی کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کس نے کی۔ تو یہ بات بھی واضح ہے، کیونکہ تفسیر جلالین کے تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر پہلے نہیں بلکہ آخر میں ہے، اور امام سیوطی جس کو تکملہ قرار دے رہے ہیں وہ تو اول آخر دونوں کے لحاظ سے سورۂ فاتحہ کے سوا ہی ہے۔ پھر سورۂ فاتحہ کی تفسیر کہاں سے آئی۔ چنانچہ جلالین کی محشی صاحب جمل شیخ سلیمان مقدمہ میں لکھتے ہیں: فاتحہ کی تفسیر امام محلی نے کی ہے۔ اور امام سیوطی نے اس کو آخر کتاب میں اس لئے ضم کر دیا تا کہ اس بات پر دلالت رہے کہ یہ انہیں کی ہے۔

غرضکہ دونوں حضرات کی تفسیر از اول تا آخر ایسی یکسانیت رکھتی ہے کہ ناواقف کو یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ دو شخصوں کی تصنیف ہے۔ دونوں کی عبارتیں نہایت مختصر و دقیق ہیں۔ نہج یکساں ہے، راجح اقوال پر دونوں نے اعتماد کیا ہے، اور آیات متشابہات میں وہی طرز اپنایا جو امام محلی نے اختیار فرمایا تھا۔

یہ تفسیر ایجاز و اختصار میں اس مقام پر ہے کہ صاحب کشف الظنون نے بعض علمائے یمن سے نقل کیا: میں نے قرآن اور تفسیر جلالین کے حروف شمار کئے تو سورۂ مزمل تک برابر نکلے۔ البتہ سورۂ مدثر سے تفسیر کے کچھ الفاظ زیادہ ہیں اسی لئے تو بے وضو اس کو ہاتھ میں لینا جائز ہے۔

اس اختصار کے باوجود کتاب نہایت قیمتی ہے اور اہل علم میں مشہور و متعارف۔ بے شمار مرتبہ طبع ہوئی اور بہت سے علماء نے اس پر تعلیقات و حواشی لکھے، ان میں جمل اور صاوی سب

سے مشہور ہیں۔ان کے علاوہ جلالین پر ملا علی قاری کا حاشیہ ہے۔مجمع البحرین جلال الدین محمد بن محمد کرخی کا۔کمالین شیخ سلام اللہ فخر الدین حنفی کا(یہ شیخ محدث کی اولاد سے ہیں۔

## السراج المنیر للخطیب الشربینی

اس کتاب کے مصنف امام شمس الدین محمد بن محمد شربینی قاہری شافعی ہیں اور خطیب شربینی سے مشہور ہیں۔

اپنے دور کے بہت سے علماء سے علم حاصل کیا۔ان میں شیخ احمد برسی،نور محلی،بدر مشہدی اور شہاب املی وغیرہم ہیں۔اساتذہ نے جب دیکھا کے آپ فتوی نویسی اور درس وتدریس کے اہل ہو گئے تو ان کو اجازت دے دی اور پھر مدۃ العمر آپ اسی میں مشغول رہے ۔بے شمار خلق خدا کو آپ سے فائدہ پہونچا۔

علم وعمل،صلاح وفلاح،اور زہد وتقوی کے عظیم مقام پر فائز تھے اور اہل مصر کا اس بات پر اتفاق تھا۔آپ کی عادت کریمہ یہ تھی کی شروع رمضان المبارک سے مصر کی جامع مسجد میں اعتکاف فرماتے اور نماز عید کے بعد ہی باہر تشریف لاتے۔حج کے لئے پیدل تشریف لے جاتے اور شدید تکان کے بغیر کسی سواری پر سوار نہ ہوتے۔دنیوی کاموں میں مشغول نہ ہوتے۔
خلاصہ کلام یہ کہ آپ اللہ تعالی کی ایک عظیم شان تھے۔آپ کا وصال ۹۷۷ھ میں ہوا۔

آپ کی اہم تصانیف میں کتاب المنھاج،کتاب التنبیہ۔یہ دونوں عظیم شرحیں ہیں۔
ان میں آپ نے اپنے اساتذہ کی تحریرات کو جمع فرمایا تھا۔لوگوں میں بہت مقبول ہوئیں اور خاص طور پر آپ کی یہ تفسیر۔

## تفسیر سراج منیر

اس کتاب کا سبب تصنیف آپ نے خود مقدمہ میں بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے،
کہتے ہیں کہ علمائے سلف نے اپنے فہم وادراک کے مطابق قرآن کی تفاسیر لکھیں۔
ایک دن میرے دل میں بھی یہ خیال گزرا کہ میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک تفسیر لکھوں،لیکن ایک زمانہ تک اسی تردد کا شکار رہا اور یہ خوف لاحق رہا کہ کہیں میں اس وعید کا

مصداق نہ ہو جاؤں جس میں یہ آیا کہ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور بغیر علم قرآن میں حرف زنی کی الخ۔ آخر کار میں نے استخارہ کیا تو میرے سینہ کو اللہ تعالی نے کھول دیا۔ جب میں سفر سے واپس آیا تو دل میں اس بات کو پوشیدہ رکھا حتی کہ میرے احباب میں سے ایک صاحب نے خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو یا امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں: فلاں سے کہو کہ قرآن کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ آپ نے تفسیر لکھی۔

اس تفسیر میں مصنف نے راجح اقوال ذکر کئے ہیں، جہاں ضرورت سمجھی وہاں توجیہ اعراب کو بھی ذکر کیا اور تطویل سے اجتناب برتا ہے۔ قرأت سبعہ کا ذکر بھی ہے۔ بعض مقامات پر چند اقوال بھی ذکر کئے ہیں لیکن ان میں پہلا قول قوی اور مصنف کے نزدیک راجح ترین ہوتا ہے۔

یہ تفسیر عبارت کے اعتبار سے درمیانی ہے، نہ تو اس میں تطویل ممل خواطر ہے اور نہ اجمال مخل مقاصد ہے۔ سلف کی تفسیر ماثور سے بھی ماخوذ ہے اور متاخرین مفسرین کے اقوال بھی جا بجا پائے جاتے ہیں۔ جیسے زمخشری، بیضاوی اور بغوی وغیرہ، بہت سے مقامات پر آپ ان کے اقوال کو پسند کرتے ہیں اور ان کی توجیہ بھی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور ان کو رد فرماتے ہیں۔

تفسیری نکات اور اعتراضات مع جواب بھی بعض مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ آیات میں مناسبت اور احکام فقہیہ بھی اس میں بیان کرتے ہیں۔ اسرائیلی روایات بھی واقعات کے ضمن میں ہیں۔ دراصل یہ تفسیر امام رازی کی تفسیر سے ماخوذ ہے اور چار جلدوں میں طبع شدہ ہے۔

## ارشاد العقل السلیم لابی السعود

اس کتاب کے مصنف ابو السعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ عمادی حنفی ہیں۔ ولادت ۸۹۳ھ میں ہوئی۔ جائے پیدائش شہر قسطنطنیہ ہے۔ آپ کا گھرانہ علم و فضل میں مشہور تھا حتی کہ بعض لوگوں نے کہا: کہ آپ علم کی گود میں پلے بڑھے اور فضل کے پستان سے دودھ پیا۔ ہمیشہ علوم دینیہ کی

خدمت میں مشغول رہے۔

اکثر کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور پھر جلیل القدر علماء سے شرف تلمذ حاصل کیا، آپ کی علمی شہرت دور دراز ملکوں تک پہونچی، ترکستان کے بہت سے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر شہر بروسہ میں منصب قضا پر فائز ہوئے، اس کے بعد قسطنطنیہ کا عہدۂ قضا سنبھالا، ملک روم میں بھی اس عہدہ پر رہے، اس طرح آٹھ سال گزرے، پھر فتوں نویسی پر مامور ہوئے اور تقریباً تیس سال تک یہ خدمت انجام دی، نہایت دقیق مسائل تحریر فرمائے اور فتوی نویسی میں اعلی مقام حاصل کیا۔

کہتے ہیں آپ کا فتوی سائل کے استفتاء کے مطابق ہوتا، اگر سوال منظوم ہے تو جواب بھی منظوم ہوتا، اور دونوں ہم وزن اور ہم قافیہ ہوتے، سوال مسجع نثری عبارت میں ہوتا تو جواب بھی ویسا ہی تحریر فرماتے، اگر سوال عربی زبان میں آتا تو جواب بھی اسی زبان میں جاتا، اور اگر ترکی زبان میں ہوتا تو جواب بھی ویسا ہی ہوتا۔

آپ ہم عصروں میں علم وعرفان اور فضل وکمال میں سب پر چھائے رہے، کسی کو آپ سے مقابلہ کی جرأت نہیں ہوئی، درس وتدریس، افتاء وقضا کی مصروفیات کی وجہ سے آپ نہایت عدیم الفرصت تھے، لہذا تصنیف وتالیف کے لئے آپ کو زیادہ فرصت نہیں مل سکی، پھر بھی آپ نے کچھ وقت اس تفسیر کے لئے نکالا اور عظیم سرمایہ اہل علم کو عطا کیا، ساتھ ہی تفسیر کشاف پر حواشی لکھے اور ہدایہ کتاب البیوع پر بھی حاشیہ لکھا۔

آپ کا وصال قسطنطنیہ میں ہوا اور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ یہ ۹۸۲ھ۔ کا زمانہ تھا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

## تفسیر ارشاد العقل

آپ نے یہ تفسیر لکھنا شروع کی تو درمیان میں بہت سے مشاغل پیش آئے حتی کہ سورۂ (ص) پر جا کر یہ سلسلہ رک گیا۔ آپ نے جو کچھ لکھا تھا شاہی دربار میں پیش کر دیا جس کو سلطان وقت سلیمان خان والی قسطنطنیہ نے بہت پسند کیا اور بہت کچھ انعام کے ساتھ آپ کا وظیفہ بھی

پانچ سو درم یومیہ کے حساب سے بڑھا دیا۔ پھر جب آپ نے یہ تفسیر مکمل کر کے دوبارہ سلطان کے پاس بھیجی تو مزید انعامات سے نوازے گئے۔

حق بات یہ ہے کہ آپ کی یہ تفسیر اس میدان میں حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ حسن تحریر اور جمال تعبیر میں نہایت کو پہونچی ہوئی ہے، بلاغت قرآنیہ کے وہ رموز واسرار مصنف نے بیان کئے کہ پہلے کسی نے بیان نہیں کئے، اسی لئے اہل علم میں اس کو خاص شہرت حاصل ہوئی اور بہت سے علماء نے اس کو سب سے بہتر تفسیر قرار دیا۔

عقد منظوم فی ذکر افاضل الروم میں ہے: کہ صاحب ارشاد العقل نے اس تفسیر میں ایسے مضامیں ارشاد فرمائے ہیں جو کسی دور میں کانوں میں نہ پڑے اور یہ مثل صادق آئی کہ

"کم ترك الاول للآخر" پہلوں نے کتنی چیزیں بعد والوں کے لئے چھوڑ رکھی تھیں۔

فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ کے مصنف کہتے ہیں: میں نے اس تفسیر کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا تو اس کو بہت خوب پایا۔ نہ یہ طویل ممل خواطر ہے اور نہ قصیر مخل مقاصد۔ بہت سے لطائف وکلمات کو متضمن اور فوائد واشارات پر مشتمل ہے۔

## روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی للآلوسی

اس کتاب کے مصنف ابو الثنا سید محمد آفندی آلوسی بغدادی ہیں۔ لقب شہاب الدین تھا۔ ولادت ۱۲۱۷ھ میں بغداد شریف کے نواح علاقہ کرخ میں ہوئی۔

آپ عراقی علماء میں اعلی مقام کے حامل اور شیخ العلماء کے درجہ پر فائز تھے، بہت سے علوم کے جامع حتی کہ معقول ومنقول میں یگانہ روزگار تھے۔

فحول علماء سے علم حاصل کیا، ان میں آپکے والد، شیخ خالد نقشبندی، اور شیخ علی سویدی ہیں۔

آپ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں تیرہ برس کی عمر سے مشغول ہوئے اور بہت سے مدارس میں درس دیا، اور جب سے مسلک حنفی کے مطابق فتوی دینا شروع کیا اس وقت

سے تمام علوم اپنے گھر ہی پڑھائے، آپ کے تلامذہ میں وہ بھی ہوئے جو قضا اور دوسرے عظیم عہدوں پر فائز ہوئے، دور دراز کے مختلف شہروں سے طلبہ وفضلا کی جماعتیں آتیں اور آپ سے اکتساب علم کرتیں، طلبہ پر آپ نہایت مہربان رہتے، ان کے قیام وطعام کا انتظام خود کرتے، خود اپنے مکان عظیم الشان میں ٹھہراتے، حتیٰ کہ عراق میں آپ علم وفضل کے مرجع کہلائے اور بالاتفاق اہل علم آپ کے فضل وکمال کے قائل تھے۔

آپ تصنیف وتالیف میں مہارت تامہ رکھتے تھے، پختہ قلم کے مالک، املا وانشاء میں منفرد اور طرز تحریر میں یگانۂ روزگار تھے، بہت سے رسائل وفتاوی تحریر فرمائے، لیکن آپ کے آثار علمیہ میں بہت کم باقی رہے اور امتداد زمانہ کی دبیز تہوں میں دب گئے۔

آپ ۱۲۴۸ھ میں افتائے حنفیہ کے منصب پر فائز ہوئے اور مدرسہ مرجانیہ کے اوقاف کی تولیت بھی آپ کے سپرد کی گئی، اور یہ تولیت اس شرط کے ساتھ مشروط چلی آرہی تھی کہ جو اعلم علمائے بلد ہو وہی اس کا اہل قرار پائے گا۔ آپ نے یہ ذمہ داری ایسے اچھے طریقہ سے انجام دی کہ اس وقت کے وزیر اعظم رضا پاشا پر یہ واضح ہو گیا کہ میرے جتنے مصاحب ہیں ان میں سے آپ کا کوئی مد مقابل نہیں۔ آپ پندرہ سال اس منصب پر فائز رہے، پھر فتوی نویسی اور تولیت سے استعفیٰ دے کر تفسیر قرآن میں مشغول ہوئے اور اس کو مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے قسطنطنیہ کا سفر کر کے سلطان عبد المجید خاں والی ترکستان کے سامنے اپنی اس عظیم تصنیف کو پیش کیا جس کو سلطان نے بہت پسند کیا۔

آپ اگرچہ حنفی افتاء کے مذہب پر ایک زمانہ فتوی دیتے رہے لیکن شافعی المذہب تھے، البتہ بہت سے مسائل میں امام اعظم کے مسلک پر گامزن رہے۔ آپ کا انتقال ۲۵/ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ جمعہ کے دن ہوا اور شیخ معروف کرخی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

## تفسیر روح المعانی

یہ تفسیر سلف صالحین کی آراء کو جامع ہیں۔ آپ نے روایت ودرایت دونوں اعتبار سے اسلاف کی تفسیر کا خلاصہ پیش کیا۔ آپ اکثر وبیشتر تفسیر ابن عطیہ، تفسیر ابو حیان، تفسیر ابو السعود، تفسیر

بیضاوی اور تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں۔ ہاں تفسیر کشاف بھی آپ کا ماخذ ہے۔

چونکہ آپ اہل سنت کے معتقدات کے حامل تھے۔ لہذا معتزلہ اور روافض پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ مسائل ریاضیہ وہیئت اور مسائل نحویہ کی بحثیں بھی وافر مقدار میں ہیں اور فقہی احکام کا ذخیرہ بھی آپ نے جمع کیا ہے۔

اسرائیلی روایات پر سختی سے نوٹس لیتے ہیں اور خوب چھان بین کے بعد آخری فیصلہ سناتے ہیں، وجوہ قرأت، آیات کے درمیان مناسبت اور شان نزول بیان کرنے کا التزام بھی ہے۔ تفسیر اشاری اور صوفیانہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ غرض کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا ہے۔

## انوار التنزیل و اسرار التاویل للبیضاوی

اس تفسیر کے مصنف قاضی القضاۃ ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی بیضاوی شافعی ہیں، لقب ناصر الدین تھا۔ بیضاء بلاد فارس میں ایک شہر ہے جس کا علاقہ نہایت ہی خوشگوار اور سرسبز و شاداب اور موذی جانوروں سے پاک تھا۔ یہاں کے انگور کا ایک ایک دانہ دس دس مثقال کا ہوتا ہے۔ اور ایک خاص قسم کا سیب ہوتا ہے جس کی گولائی دو بالشت کی ہوتی ہے۔ اس کو شاہ گشتاشب نے اور بقول بعض حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے تعمیر کیا تھا، فارسیوں کے عہد میں اس کو (دار سفید) کہتے تھے، تعریب کے بعد بیضاء ہو گیا۔

آپ نہایت ہی عابد و زاہد، نیک و صالح، اور یگانہ روزگار امام تھے۔ ابتداء میں قضاء شیراز کے عہدہ پر فائز رہے۔ پھر وہاں سے معزول ہو کر تبریز تشریف لائے، اتفاق سے کسی فاضل کے حلقۂ درس میں حاضر ہوئی اور آپ سب کے آخر میں اس طرح خاموشی سے بیٹھ گئے کہ حاضرین کو خبر نہ ہوئی۔ دوران درس فاضل مذکور نے کوئی اشکال پیش کیا اور حاضرین سے اس کا حل پوچھا۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ اگر کوئی اشکال حل نہ کر سکے تو کم از کم میرے طرز پر اشکال کا اعادہ ہی کر دے۔

یہ سن کر قاضی صاحب خاموش نہ رہ سکے اور جواب کی تقریر شروع کر دی، فاضل مذکور

نے کہا: جب تک تم مجھے یہ باور نہ کرادو کہ تم میرا اشکال سمجھ گئے ہو اس وقت تک میں جواب نہیں سننا چاہتا۔ لہذا پہلے میرے اشکال کا اعادہ کرو۔ آپ نے بلا تامل انہیں الفاظ میں اشکال کا اعادہ کیا اور پھر تشفی بخش جواب دیا اور پھر فوراً ہی اس پر اشکال پیش کیا اور جواب کے طالب ہوئے، جس کا جواب فاضل مذکور سے نہ بن پڑا۔

اسی مجلس میں وزیر بھی موجود تھا وہ قاضی صاحب کے فضل وکمال کو سمجھ گیا اور اپنے پاس بٹھا کر پوچھا آپ کون ہیں؟ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں بیضاوی ہوں اور طلب قضا میں یہاں آیا ہوں۔ وزیر نے نہایت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ خلعت فاخرہ سے نواز کر رخصت کیا۔

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ ایک عرصہ تک یہیں قیام پزیر رہے اور شیخ محمد بن محمد کتحتانی سے سفارش کی درخواست کی، اور شیخ نے موقع پا کر ان کے متعلق سفارش بھی کی مگر قاضی صاحب کا ارادہ بدل گیا اور منصب دنیویہ ترک کر کے شیخ کی خدمت ہی میں رہنے لگے اور آپ کے ایما پر ہی آپ نے بیضاوی جیسی عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی۔

آپ کا وصال تبریز میں ۶۹۱ ھ میں ہوا۔ آپ نے اپنی یادگار میں بہت سی تصانیف چھوڑیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

الغایۃ القصوی فقہ شافعی ہیں، منہاج الوصول اصول فقہ میں، طوالع الانوار علم کلام میں، شرح مصابیح حدیث میں، شرح کافیہ نحو میں، اور شرح مطالع منطق میں۔ لیکن ان میں آپ کی عظیم تصنیف ''انوار التنزیل واسرار التاویل'' جس کو غیر معمولی شہرت ملی اور آج بھی مدارس اسلامیہ میں داخل درس ہے۔

## تفسیر بیضاوی

آپ کی یہ تفسیر باعتبار حجم درمیانی تفسیر ہے۔ آپ نے اس میں تفسیر وتاویل دونوں کو جمع کیا ہے، یہ کتاب آپ نے کشاف، تفسیر کبیر اور تفسیر امام راغب اصفہانی سے اخذ کر کے لکھی۔

آپکی یہ تفسیر کلام وحکمت کے حقائق، حدیث وسنت کے دقائق، معانی وبیان کے

اسرار، رموز فلسفہ ومیزان، وجوہ قرأت وتفسیر آیت، منقول ومعقول تاویلات، صرف ونحو کی باریکیاں، لغات عربیہ کے مباحث، نظم قرآن کے محاسن وغیرہا صدہا علوم پر مشتمل ہے۔

آپ نے یہ تفسیر خالص اہل سنت کے مذہب پر لکھی ہے۔ اس لئے اگرچہ کشاف آپ کا ماخذ ہے لیکن آپ نے معتزلہ کے مذہب ومسلک کے دلائل کو یکسر اڑا دیا ہے۔ ہاں فضائل سور میں زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے بہت سے مقامات پر موضوع احادیث ذکر کردی ہیں جو آپ کی علمی جلالت کے واقعی منافی ہے۔

بہرحال کتاب نہایت ہی اہمیت کے حامل ہے، اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کسی زمانے میں قرآن کریم کے ساتھ لوگ اس کو بھی حفظ کرتے تھے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علم تفسیر اب فقط تفسیر ماثور میں منحصر نہیں رہا بلکہ اس نے ایک وسیع علم وفن کی شکل اختیار کرلی جو صدہا شعبوں پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا احاطہ عادی طور پر ممکن نہیں۔ لہٰذا مفسرین میں کسی نے اپنا موضوع احکام قرآن کو بنایا اور کسی نے احادیث وآثار پر اقتصار کیا۔ کوئی وجوہ نظم اور اعراب قرآن کی وضاحت میں مصروف ہوا تو کسی نے اپنا موضوع تحریر چند مباحث پر مقتصر رکھا۔

دور حاضر میں اُردو تفاسیر بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر لکھا گیا۔ ان میں بعض تفاسیر کے اسماء اس طرح ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی | حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی | ۱۶ر جلدیں |
| ضیاء القرآن | محقق عصر علامہ پیر کرم شاہ ازھری | ۵ر جلدیں |
| فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان | شیخ التفسیر علامہ فیض احمد اویسی | ۱۵ر جلدیں |

ان کے علاوہ مختصر تفسیریں بھی لکھی گئیں جو بطور حاشیہ ترجمہ قرآن کو واضح کرنے کے لئے منظر عام پر آئیں۔ ان میں خزائن العرفان (از صدر الافاضل) اور نور العرفان (از مفتی احمد یار خاں نعیمی) یہ دونوں امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کے حاشیہ پر تحریر ہوئی ہیں اور متداول ومقبول ہیں۔

# علم تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام

ان تمام تفاسیر کے وافر ذخیرہ میں مجھے بالخصوص یہ بتانا ہے کہ اس فن میں امام احمد رضا قدس سرہ کا مقام و مرتبہ کیا تھا۔ بعض لوگ امام احمد رضا کا علم تفسیر میں کوئی مقام نہیں مانتے۔ ایسے لوگ در حقیقت امام موصوف کی تصانیف کا مطالعہ کئے بغیر یہ بات کہتے ہیں۔ یا محض عناد و دشمنی کے طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں مخالفیں نے بغیر تحقیق یہ جملہ لکھ دیا:

"کا ن قلیل البضا عة فی الحدیث و التفسیر"

یہ جملہ مولوی ابوالحسن علی میاں ندوی کی طرف سے اپنے والد مولوی عبدالحی رائے بریلوی کی کتاب نزھۃ الخواطر پر اضافہ ہے۔ اور امام احمد رضا کی تصانیف سے ناواقفیت کا نتیجہ، یا بغض و عناد اور مخالفانہ جذبات کا عکاس۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اسی کتاب میں امام موصوف اور ان کی بعض کتب کی مدح سرائی کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات، اور متبحر عالم تھے۔ رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل۔

وہ حرمت سجدۂ تعظیمی کے قائل تھے۔ اس موضوع پر بالخصوص انھوں نے ایک کتاب بنام " الزبدة الزکیة لتحریم سجو د التحیة "تصنیف کی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفور علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔ فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے فتاویٰ اور "کفل الفقیہ الفا ھم فی احکام قرطا س الدراھم" جو قیام مکہ مکرمہ کے درمیان لکھی اس پر شاھد عدل ہے۔ علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، جفر میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

یہ مدحیہ کلمات (ص ۴۱) پر ہیں اور تنقیصی جملہ (ص ۴۲) پر۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ ندوی صاحب نے یہ دو رخی پالیسی کیوں اپنائی۔

راقم الحروف تو یہی سمجھتا ہے کہ انہوں نے امام احمد رضا کی صرف بعض کتابوں کا

مطالعہ کیا جس کے نتیجہ میں اس تضاد بیانی کا مظاہرہ ہوا۔ یا۔ ہوسکتا ہے ان کے نزدیک کسی علم میں مہارت کے لئے ضروری ہو کہ اس فن میں مستقل تصانیف ہوں جو تمام ابواب کو محیط ہوں۔

اگر ایسا ہے تو پھر اس معیار پر بیشتر مفسرین و محدثین بھی قلیل البضاعۃ اور تہی دامن شمار ہونگے۔ اور پہلے مرحلہ یعنی صحابہ و تابعین کے دور میں تو معدودے چند بھی کوئی ثابت نہیں کرسکتا، کہ اس دور میں تو نہ پورے قرآن کی تفسیر ہوئی اور نہ جمیع ابواب پر احادیث جمع ہوئیں۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ اب جبکہ علوم وفنون مدون ہو چکے، تو کسی فن میں مہارت تامہ اس کے اصول وفروع کی تفصیلی معلومات اور اس علم کے متعلقات پر عبور حاصل کرنے پر موقوف ہے، اور جب ان چیزوں میں عمیق نگاہ اور وسعت مطالعہ ثابت ہو جائے تو پھر ضخیم مجلدات اور تمام ابواب کے احاطہ اور ترتیب کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

اس نقطہ نگاہ سے امام موصوف کی تصانیف کا مطالعہ منصف مزاجی سے کیا جائے تو بیش بہا خزانہ ہاتھ آئے گا۔

ہاں مخالفین کو اگر اس بات پر ہی اصرار ہو کہ جب تک ضخیم مجلدات اور مستقل تصانیف نہ ہوں اس وقت تک مہارت تسلیم نہیں۔ تو ہم اس نوعیت کا ثبوت بھی فراہم کرسکتے ہیں۔

راقم الحروف نے آٹھ سال قبل امام احمد رضا کے علم حدیث کے تعلق سے معلومات فراہم کرنا شروع کی تھیں، زمانہ کی دست برد سے امام احمد رضا کی جو کتابیں محفوظ تھیں ان کو جمع کیا جن کی تعداد تین سو سے متجاوز نہ ہوسکی۔

ان تمام کتب کا مطالعہ کرنے کے دوران جو احادیث سامنے آئیں ان کو جمع کیا اور فقہی ابواب پر مرتب کیا۔ ان کتابوں میں پائی جانے والی تمام احادیث کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار ہوگی۔ لیکن میں نے مکررات کو حذف کیا۔ اور جن احادیث کی متعدد سندیں تھیں ان کو بھی ترک کیا۔ اس کے باوجود یہ تعداد (۳۶۶۳) احادیث وآثار تک پہنچی جو بخاری ومسلم اور ترمذی وغیرھا صحاح ستہ کی غیر مکرر احادیث سے کسی طرح کم نہیں۔ جب کہ یہ صرف تین سو تصانیف کا سرمایہ ہے اور یہ تعداد امام احمد رضا کی جملہ تصانیف کا تہائی حصہ ہیں۔ اگر تمام

تصانیف دستیاب ہو جاتیں اور ان کی تمام احادیث کو جمع کر دیا جاتا تو یہ سلسلہ کہاں پہنچتا؟ مزید اس موضوع پر تلاش جاری ہے، چند ضخیم کتابیں سامنے آئی ہیں۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ان کو بھی جمع کیا جائے گا۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ روایت کے ساتھ درایت حدیث اور اصول سے متعلق سیکڑوں صفحات میں بکھرے ہوئے امام احمد رضا کے علمی جواہر پاروں کی جمع و ترتیب اس سلسلہ کو مزید وسعت دے گی اور مخالفین کے دعوے خاک میں ملتے نظر آئیں گے۔

اب چار ہزار سے زیادہ احادیث و آثار پر مشتمل مجموعہ بنام ''جامع الاحادیث'' سات ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے۔

پھر ندوی صاحب کے جملہ "قلیل البضاعة فی الحدیث" کی کیا حیثیت رہ گئی۔

ان کے جملے کا دوسرا جزء ہے'' والتفسیر "یعنی امام احمد رضا حدیث کی طرح تفسیر میں بھی تہی دامن تھے۔

امام احمد رضا کی جو تصانیف دستیاب ہیں اگر ان کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اس دعویٰ کی بھی قلعی کھل جائے گی۔ راقم الحروف نے تقریبا چھ سو آیات پر مشتمل تفسیری مباحث جمع کر کے قارئین کے سامنے پیش کر دئے ہیں۔ یہ (جامع الاحادیث) کا ایک باب ہے جو'' کتاب التفسیر' کے عنوان سے تین ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے، اس طرح اب'' جامع الاحادیث'' کی مکمل دس جلدیں ہیں، یہ پورا سیٹ آج کل خوبصورت جلدوں کے ساتھ دستیاب ہے۔ ان مباحث کو پڑھ کر منصف مزاج حضرات اس بات کا ضرور اعتراف کریں گے کہ جو شخصیت ان آیات کی اس طرح محققانہ انداز میں تفسیر کر سکتی ہے وہ بلاشبہ پورے قرآن کی تفسیر پر قادر تھی اور تمام مضامین قرآن اس کے پیش نظر تھے۔

خیال رہے کہ امام موصوف نے ایک مستقل اور مختصر تفسیر بھی لکھنا شروع کی تھی جو سورہ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی ۱۲ آیات تک پہنچ سکی۔ یا۔ پھر اتنی ہی دستیاب ہوئی اور باقی امتداد زمانہ کی دبیز تہوں میں دب گئی۔

پورے قرآن کریم کی تفسیر پر قدرت حاصل ہونے کی دلیل خود ان کا ترجمہ قرآن بھی

ہے۔آپ نے جس پس منظر میں ترجمہ کیا اس کی مثال صدیوں میں تلاش کرنا مشکل ہے۔آپ کا ترجمہ قرآن " کنز الایمان " اس طرح معرض وجود میں نہیں آیا جس طرح مترجمین عام طور سے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر، متعلقہ کتابوں کا انبار لگا کر، اور ترجمہ وتفسیر کی کتابیں دیکھ دیکھ کر معنیٰ کا تعین کرتے ہیں۔اوران تمام چیزوں کے بعد جب مترجم ترجمہ کرتا ہے تو بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اس کا قلم رطب ویابس سے پاک رہے، اور دین ودیانت کی پاسداری میں کانٹے کی تول پورا اترے۔

امام احمد رضا کی مصروف ترین زندگی عام مترجمین کی طرح ان تمام تیاریوں اور کامل اہتمامات کی متحمل کہاں تھی۔اورحق تو یہ ہے کہ بہت سے موضوع ان کے یہاں قلم اٹھانے کا موقع بھی نہیں دیتے تھے۔اس لئے بعض مواقع پر زبانی جواب عنایت فرماتے اور دوسرے حضرات کو لکھواتے۔املا کرانے کی شان بھی یہ تھی کہ چار چار چھ چھ لوگ لکھتے اور سب کو بالترتیب علیحدہ علیحدہ مضامین لکھواتے۔ترجمہ قرآن کی نوعیت بھی اسی طرح تھی۔حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی صاحب علیہ الرحمہ نے ترجمہ قرآن کی امام احمد رضا سے گزارش کی۔کاموں کے ہجوم میں اس اہم کام کے لئے علیحدہ سے وقت ملتا نظر نہ آیا تو صدر الشریعہ دوپہر قیلولہ کے وقت قلم وقرطاس لے کر حاضر ہو گئے۔ہر دن ایسے ہی وقت حاضر ہوتے، امام احمد رضا ترجمہ املا کراتے اور صدر الشریعہ لکھتے جاتے حتی کہ یہ کام ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں مکمل ہو گیا۔کیا تاریخ تراجم میں کوئی اور بھی ایسی مثال ملے گی؟

پھر یہ ترجمہ کس انداز سے ہوا؟ اور کس خوش اسلوبی سے معرض وجود میں آیا؟ اس کی ایک جھلک ارباب علم وادب اور صاحبان فضل وکمال کے تاثرات سے ملاحظہ کیجئے۔

حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی فرماتے ہیں:

علم قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمہ سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے۔اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں۔اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا۔جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں (روح) قرآن ہے۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

انھوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، قرآن فہمی کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انہیں گہرا عبور حاصل تھا۔ شان نزول، ناسخ و منسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیر صحابہ اور استنباط احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب ہے کہ اگر قرآن پاک کے مختلف تراجم کو سامنے رکھکر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ کنز الایمان سب سے بہتر ترجمہ ہے جس میں شان الوہیت کا احترام بھی ملحوظ ہے اور عظمت نبوت و رسالت کا تقدس بھی پیش نظر ہے۔

ملک شیر محمد خاں اعوان آف کالا باغ اس ترجمہ پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور با محاورہ بھی۔ اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہو۔ ناموس توحید و رسالت کی پاسداری میں یہ ترجمہ قرآن اپنی مثال آپ ہے۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔

علامہ یٰس اختر صاحب مصباحی اس کے متعلق فرماتے ہیں:

امام احمد رضا قادری نے عشق و محبت کی زبان میں قرآن حکیم کا ایک ترجمہ کیا ہے جو علمی، ادبی، اعتقادی ہر حیثیت سے معیاری اور قرآن کی حقیقی جھلک کا آئینہ دار ہے۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ مصنف بہار شریعت کے شدید اصرار پر ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا جس کا نام کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن رکھا گیا۔

کتب تفسیر ولغت وغیرہ دیکھے بغیر آپ زبانی فی البدیہہ برجستہ بولتے جاتے اور صدرالشریعہ اسے لکھتے جاتے ،اور جب صدرالشریعہ و دیگر علمائے کرام اس ترجمہ کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے کہ یہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق اور ان کا ترجمان ہے۔

اور حد تو یہ ہے کہ امیر جمعیت اھل حدیث پاکستان استاد سعید بن یوسف زئی بھی برملا اعتراف کرتے ہیں:

یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالٰی کے لئے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت وتقدیس وعظمت وکبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء ہو، ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا شفیع روز جزا سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ہے، یا جن میں آپ سے خطاب کیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا خاں نے اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب "ما ینطق عن الھوی" اور "ورفعنا لك ذكرك" کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی۔

ایک غیر جانب دار عالم اور ممتاز صحافی کوثر نیازی نے یوں بیان کیا۔

امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے، کنزالایمان روح پرور ترجمہ، عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

ان شہادتوں سے اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ امام احمد رضا کی علوم قرآن پر گہری نظر تھی اور تفسیر قرآن میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ جس شخص کی نگاہ اتنی عمیق ہو پھر اس کو اس فن میں قلیل البضاعۃ کہنا حقیقت سے کوسوں دور کی بات ہے۔

ماہرین فن نے اس ترجمہ کا مستند تفاسیر سے مقابلہ کیا تو عین مطابق پایا۔ تقدیس

الوہیت اور ناموس رسالت کا ترجمان قرار دیا۔ قرآنی حقائق و معارف کا آئینہ بتاتا۔ لیکن عناد پسند طبیعتیں علوم قرآن سے تہی دامن ہی سمجھتی رہیں۔

اس موضوع کے تعلق سے اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ میں اس تفصیل میں نہ جاکر چند مثالیں ان کے علوم قرآن پر گہری نظر اور تفسیری معلومات میں رسوخ کامل سے متعلق پیش کر رہا ہوں۔

ائمہ تفاسیر نے تفسیر قرآن کیلئے چار اصول متعین کئے ہیں اور پانچواں اصول انہیں پر متفرع اور انہیں سے ماخوذ ہے۔ ترتیب اس طرح ہے۔

تفسیر القرآن با لقر آ ن ۔

تفسیر القرآن با لحدیث

تفسیر القرآن بآ ثار الصحا بۃ و التا بعین العظا م

تفسیر القرآ ن با للغۃ العربیۃ و القوا عد الا سلا میۃ

اور پانچواں طریقہ یہ کہ مندرجہ بالا میں سے کسی کے ذریعہ مؤید و ثابت ہو۔ لہٰذا اس مقالہ میں امام احمد رضا کے تفسیری مباحث ان تمام پہلوؤں سے ملاحظہ فرمائیں اور آپ کی مہارت و عبقریت کی داد دیں۔

## تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن کریم کی کچھ آیات ایسی ہیں جو مکرر ارشاد ہوئیں۔ اور بعض تھوڑے فرق سے متعدد مواقع پر نازل ہوئیں۔ لہٰذا تفسیر کے وقت اس بات کا خیال ضروری ہے کہ ان آیات کو بھی سامنے رکھا جائے۔ اس طرح بسا اوقات ایسا ہوگا کہ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی نظر آئے گی اور مطالب قرآن و مراد الٰہی کی صاف صاف وضاحت ہو جائے گی۔ اس طرح کی مثالیں تصانیف رضویہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں۔

### مثال اول =

امام احمد رضا قدس سرہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیادت مطلقہ کے

سلسلہ میں ایک آیت نقل فرمائی:

"وما ارسلنك الا كافة للناس" [سورة سبا ۔ ۲۸]

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔

اس کی مزید وضاحت وتفسیر کے لئے دوسری آیت پیش فرمائی:

"تبارك الذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعلمين نذيراً"

[سورۃالفرقان ۔ ۱]

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہے۔

پہلی آیت سے حضور کی بعثت تمام انسانوں کی طرف معلوم ہوئی تھی، لیکن دوسری آیت نے واضح کردیا کہ آپ تمام جہان کے رسول ہیں۔

اب امام احمد رضا کا تشریحی بیان سنئے۔ فرماتے ہیں:

تو حضور کو تمام انس وجن کا رسول بنایا۔ علما فرماتے ہیں: رسالت والا کا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے اور محققین کے نزدیک ملائکہ کو بھی شامل۔ "كما حققناه بتوفيق الله تعالىٰ فى رسالتنا اجلال جبرئيل" بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر وشجر وارض وسماء وجبال وبحار تمام ماسوی اللہ اس کے احاطہ عامہ ودائرہ تامہ میں داخل۔ اور خود قرآن عظیم میں لفظ "عالمين" اور روایت صحیح مسلم میں لفظ "خلق" وہ بھی مؤکد بہ کلمہ "كافة" اس مطلب پر احسن الدلائل تجلی الیقین ص ۲۶

## مثال دوم:

انبیائے سابقین کی بعثت کے تعلق سے امام احمد رضا نے ایک آیت تحریر فرمائی:

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه" [سورة ابراهيم ۔ ٤]

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔

اس آیت کی تفسیر میں آپ نے مندرجہ ذیل آیات پیش فرمائیں۔ لکھتے ہیں:
علماء فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ انبیاء سابقین سب خاص اپنی قوم پر رسول کر کے بھیجے جاتے۔

اقول: وقال اللہ تعالیٰ:

"ولقد ارسلنا نوحاً الی قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاماً"

[سورة عنکبوت ـ ١٤]

اور بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہا۔

وقال تعالیٰ: "والی عاد اخاهم هوداً" [سورة هود ـ ٥]

اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ھود کو بھیجا۔

وقال تعالیٰ: ولقد ارسلنا الی ثمود اخاهم صالحا ان اعبدوا الله"

[سورة النمل ٤٥]

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کو پوجو۔

"وقال تعالیٰ: ولوطا اذقال لقومه" [سورة الاعراف ـ ٨٠]

اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔

وقال تعالیٰ: والی مدین اخاهم شعیباً" [سورة الاعراف ٨٥]

اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا۔

وقال تعالیٰ: ثم بعثنا من بعضهم موسیٰ بآیاتنا الی فرعون وملأه"

[سورة الاعراف ١٠٣]

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف بھیجا۔

قال تعالیٰ فی یونس علیه السلام: وارسلناه الی مائة الف او یزیدون"

[سورة الصافات ـ ١٤٧]

اور ہم نے اس کو لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ۔

یہ آیات پیش فرما کر لکھتے ہیں کہ حضور کی افضلیت مطلقہ کی یہ دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد سے ہے۔

دارمی، ابویعلی، طبرانی اور بیہقی روایت کرتے ہیں اس جناب نے فرمایا:

ان اللہ فضل محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الانبیاء وعلی اھل السماء۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء وملائکہ سے افضل کیا۔

حاضرین نے انبیاء پر وجہ تفضیل پوچھی تو فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ قال : "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ"

[سورۃ ابراھیم ـ ٤]

وقال لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "وما ارسلنک الا کافۃ للناس ـ

[سورۃ سبا ـ ۲۸]

اب نظر کیجئے! کہ یہ آیت کتنی وجہ سے افضلیت مطلقہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حجت ہے۔

اولاً: اس موازنہ سے خود واضح ہے کہ انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم ایک ایک شہر کے ناظم تھے۔ اور حضور پر نور سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیھم اجمعین سلطان ہفت کشور بلکہ بادشاہ زمین وآسمان۔

ثانیاً: اعبائے رسالت سخت گرانبار ہیں اور ان کا تحمل بغایت دشوار۔

انا سنلقی علیک قولا ثقیلا٥" [سورۃ المزمل ٥]

اسی لئے موسیٰ وہارون سے عالی ہمتوں کو پہلے ہی تاکید ہوئی۔

لا تنیا فی ذکری" [سورۃ طہ ـ ٤٢]

دیکھو میرے ذکر میں سست نہ ہو جانا۔

پھر جس کی رسالت ایک قوم خاص کی طرف اس کی مشقت تو اس قدر، جس کی رسالت

نے انس وجن وشرق وغرب کو گھیر لیا اس کی مؤنت کس قدر۔ پھر جیسی مشقت ویسا ہی اجر۔ اور جتنی خدمت اتنی ہی قدر۔ افضل العبادات احمزھا۔

ثالثاً: جیسا جلیل کام ہو ویسا ہی جلالت والا اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔ بادشاہ چھوٹی چھوٹی مہموں پر افسران ماتحت کو بھیجتا ہے۔ اور سخت عظیم مہم پر امیر الامراء وسردار اعظم کو۔ لاجرم رسالت خاصہ وبعثت عامہ میں جو تفرقہ ہے وہی فرق مراتب ان خاص رسولوں اور رسول الکل میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔

رابعاً: یونہی حکیم کی شان یہ ہے کہ جیسے علوشان کا آدمی ہو اسے ویسے ہی عالی شان کام پر مقرر کریں۔ کہ جس طرح بڑے کام پر چھوٹے سردار کا تعین اس کے سرانجام نہ ہونے کا موجب، یونہی چھوٹے کام پر بڑے سردار کا تقرر نگاہوں میں اس کے ہلکے پن کا جالب۔

خامساً: جتنا کام زیادہ اتنا ہی اس کے لئے سامان زیادہ۔ نواب کو اپنے انتظام ریاست میں فوج وخزانہ اسی کے لائق درکار، اور بادشاہ عظیم خصوصاً سلطان ہفت اقلیم کو اس کے رتق وفتق ونظم ونسق میں اسی کے موافق۔ اور یہاں سامان وہ تائید وتربیت ربانی ہے جو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء پر مبذول ہوتی ہے۔ تو ضرور ہے کہ جو علوم ومعارف قلب اقدس پر القاء ہوئے معارف وعلوم جمیع انبیاء سے اکثر واوفی ہوں۔ افادہ الاما م الحکیم الترمذی و نقلہ عنہ فی الکبیر الرازی۔

اقول: پھر یہ بھی دیکھنا کہ انبیاء کو ادائے امانت وابلاغ رسالت میں کن کن باتوں کی حاجت ہوتی ہے۔

حلم: کہ گستاخی کفار پر تنگ دل نہ ہوں۔

"دع اذھم وتوکل علی اللہ" [سورۃ الاحزاب۔ ۴۸]

صبر: کہ ان کی اذیتوں سے گھبرا نہ جائیں۔

"فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل" [سورۃ الاحقاف۔ ۳۵]

تواضع: کہ ان کی صحبت سے نفور نہ ہوں۔

”واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين“ [سورۃ الشعراء ۔۲۱۵]

رفق ولینت: کہ قلوب ان کی طرف راغب ہوں۔

”فبما رحمة من الله لنت لهم“ [سورۃ ال عمران ۱۵۹]

رحمت: کہ واسطہ افاضۂ خیرات ہو۔

”رحمة للذين آمنوا منكم“ [سورۃ التوبہ ۶۱]

شجاعت: کہ کثرت اعداء کو خیال میں نہ لائیں۔

”اني لا يخاف لدى المرسلون“ [سورۃالنمل ۱۰]

جود وسخا: کہ باعث تالیف قلوب ہوں۔

”فان الانسان عبيد الاحسان وجبلت القلوب على حب من احسن اليها“

”ولا تجعل يدك مغلولةً الى عنقك“ [سورۃالاسراء ۔۲۹]

عفو ومغفرت: کہ نادان جاہل فیض پاسکے۔

”فاعف عنهم واصفح ان الله يحب المحسنين“

[سورۃ المائدہ ۔۵]

استغناء وقناعت: کہ جہال اس دعوئ عظمٰی کو طلب دنیا پر محمول نہ کریں۔

”لاتمدن عينيك الى مامتعنا بها ازواجا منهم“

[سورۃ حجر ۔۸۸]

اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے کچھ جوڑوں کو برتنے دی۔

جمال عدل: کہ تثقیف وتادیب وتربیت امت میں جس کی رعایت کریں۔

”وان حكمت فا حكم بينهم با لقسط“

[سورۃ مائدہ ۔۲]

کمال عقل: کہ اصل فضائل ومنبع فواضل ہے۔ ولہذا عورت بھی نبی نہ ہوئی۔ نہ بھی اہل بادیہ وسکان دہ کو نبوت ملی کہ جفا وغلظت ان کی طینت ہے۔

"وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحی الیھم من اھل القری"

[سورۃ یوسف ۔ ۱۰۹]

اس طرح نظافت نسب وحسن سیرت وصورت سبھی صفات جمیلہ کی حاجت ہے۔ کہ ان کی کسی بات پر نکتہ چینی نہ ہو۔ غرض یہ سب انھیں خزائن سے ہیں جو ان سلاطین حقیقیت کو عطا ہوتے ہیں۔ پھر جس کی سلطنت عظیم اس کے خزائن عظیم۔ تجلی الیقین ۳۰

## مثال سوم:

فضول خرچی اور بخل دونوں ہی مذموم ہیں: حتیٰ کہ سخائے خیر میں بھی شرع مطہر اعتدال کا حکم فرماتی ہے۔ امام احمد رضا نے میانہ روی کے سلسلہ میں یہ آیت نقل فرمائی:

"ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعدا ملوما محسورا"

[سورۃ الاسراء ۲۹]

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا۔

اس آیت کے دوسرے جزء میں بسط وکشاد سے ممانعت کا مطلب اسراف وتبذیر اور بے جا خرچ سے باز رکھنا ہے جس کی وضاحت وتفسیر دوسری آیات میں اس طرح آئی۔

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالك قواماً"

[سورۃ الفرقان ۔ ٦٧]

اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

"وآتوا حقه یوم حصاده ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین"

[سورۃ الانعام ۔ ۱٤۲]

اور بے جا نہ خرچو بے شک بے جا خرچنے والے اسے پسند نہیں۔

"ولا تبذر تبذیرا ☆ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان

الشیطان لربہ کفورا" [سورۃ الاسراء۔ ۲۶۔۲۷]

اور فضول نہ اڑا، بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

## مثال چہارم:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء و مرسلین پر فضیلت اجمالاً اس آیت سے ثابت ہوتی ہے:

"تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات" [سورۃ البقرۃ۔ ۲۵۳]

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے پر افضل کیا اس میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

امام احمد رضا اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان فرماتے ہیں:

قرآن شریف کے تفصیلی ارشادات و محاورات و نقل اقوال و ذکر احوال پر نظر کیجئے تو ہر جگہ اس نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی شان سب انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے بلند نظر آتی ہے۔

یہ وہ بحر ذخار ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار۔ فقیر اول ائمہ کرام کے چند اخراجات ذکر کر کے پھر بعض امتیازات کہ باندک تامل اس وقت ذہن قاصر میں حاضر ہوئے ظاہر کرے۔ تطویل سے خوف اور اختصار کا قصد بیس پر اقتصار کا باعث ہوا۔

(۱) خلیل جلیل علیہ الصلاۃ والسلام واتجیل سے نقل فرمایا:

"ولا تخزنی یوم یبعثون" [سورۃ الشعراء۔ ۸۷]

اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔

حبیب قریب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے خود ارشاد ہوا:

"یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ" [سورۃ التحریم۔ ۸]

جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو۔
حضور کے صدقہ میں صحابہ بھی اس بشارت عظمٰی سے مشرف ہوئے۔
(۲) خلیل علیہ الصلاۃ والسلام سے تمنائے وصال نقل کی:

"انی ذا ھبب الی ربی سیھدین" [سورۃ الصافات ۹۹۔]

اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا۔
حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خود بلا کر عطائے دولت کی خبر دی۔

"سبحان الذی اسرٰی بعبدہ الآیۃ" [سورۃ الاسراء ۔ ۱]

پاکی ہے اسے جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا۔
(۳) خلیل علیہ الصلاۃ والسلام سے آرزوئے ھدایت نقل فرمائی:

"سیھدین" [سورۃ الصافات ۔ ۲]

اور تمہیں سیدھی راہ دکھاوے۔
حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود ارشاد فرمایا:

ویھدیك صراطا مستقیما۔ [سورۃ الفتح ۔۲۶]

اور اللہ آپ کو سیدھی راہ پر گامزن رکھے گا
(۴) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے آیا، فرشتے ان کے معزز مہمان ہوئے:

"ھل اتاك حدیث ضیف ابراھیم المکرمین" [سورۃ الذاریات ۔ ۲۴]

اے محبوب کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی۔
حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے فرمایا، فرشتے ان کے لشکری وسپاہی بنے:

"وایدہ بجنود لم تروھا" [سورۃ التوبۃ ۔ ۴۰]

اور ان فوجوں سے ان کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں۔

"والملئکۃ بعد ذلك ظھیرا" [سورۃ التحریم ۔۴]

اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

(۵) خلیل علیہ الصلوۃ والتسلیم کوفرمایا! انہوں نے خدا کی رضا چاہی:

"وعجلت اليك رب لترضى" [سورة طه۔ ۸٤]

اور اے میرے رب تیری طرف میں جلدی کر کے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو۔

حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے بتایا، خدا نے ان کی رضا چاہی:

"ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ" [سورة الضحیٰ۔ ٥]

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

فلنولينك قبلة ترضها۔ [سورة البقرة۔۱٤٤]

تو ہم تمہیں اس جانب پلٹیں گے جس سے تم راضی ہو

(٦) کلیم علیہ الصلوۃ والسلام کا بخوف فرعون مصر سے تشریف لے جانا لفظ فرار سے نقل فرمایا:

"ففررت منكم لما خفتكم" [سورة الشعراء۔ ۲۱]

اور میں تمہارے یہاں سے نکل گیا جب کہ تم سے ڈرا۔

حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا باحسن عبارت ادا فرمایا:

"واذ يمكر بك الذين كفروا" [سورة الانفال۔ ۳۰]

اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے۔

(۷) کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے طور پر کلام کیا اور اسے سب پر ظاہر فرمایا:

"وانا اخترتك فاستمع لما يوحىٰ، انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني"

[سورة طه۔ ۱۲۔ ۱۳]

اور میں نے تجھے پسند کیا اور اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے، بے شک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری بندگی کر۔

حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے فوق السموات مکالمہ فرمایا اور سب سے چھپایا:

"فاوحى الى عبده ما اوحىٰ" [سورة النجم۔ ۱۰]

اور وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

(۸) داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو ارشاد ہوا۔

" ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله " [ سورۃ ص ۔ ۲۶]

اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بقسم فرمایا:

"وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحىٰ " [سورۃ النجم ۔ ٤]

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

وباللہ التوفیق۔

اب فقیر عرض کرتا ہے

(۹) نوح و ہود علیہما الصلاۃ والسلام سے دعا نقل فرمائی:

" رب انصرني بما كذبون " [ سورۃ المؤمنون ۔ ۲٦]

اے میرے رب میری مدد فرما۔

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود ارشاد ہوا:

" وينصرك الله نصراً عزيزا " [ سورۃ الفتح ۔ ۲ ]

اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے گا۔

(۱۰) نوح و خلیل علیہما الصلاۃ والسلام سے نقل فرمایا، انہوں نے اپنی امت کی دعائے مغفرت کی:

" ربنا اغفرلي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب "

[سورۃ ابراهیم ۔ ٤١ ]

اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہو۔

حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خود حکم دیا اپنی امت کی مغفرت مانگ:

" واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات " [ سورۃ محمد ۔ ۱۹ ]

اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

(۱۱) خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے آیا، انہوں نے پچھلوں میں اپنا ذکر جمیل باقی رہنے کی دعا کی۔

"واجعل لی لسان صدق فی الآخرین" [سورۃ الشعراء ۔ ۸٤]

اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود فرمایا:

"ورفعنا لك ذكرك" [سورۃ الا نشراح ۔ ٤]

اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا:

"عسى ان يبعثك ربك مقاماً محمودا" [سورۃ الا سراء ۔ ۷۹]

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

(۱۲) خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کے قصہ میں فرمایا، انہوں نے قوم لوط علیہ الصلوۃ والسلام سے رفع عذاب میں بہت کوشش کی۔ مگر حکم ہوا:

"یا ابراهيم اعرض عن هذا" [سورۃ هود ۔ ۷٦]

اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑ۔

عرض کی: "ان فيها لوطا" [سورۃ العنکبوت ۔ ۳۲]

اس بستی میں لوط ہے۔ حکم ہوا۔

"نحن اعلم بمن هو" [سورۃ العنکبوت ۔ ۳۲]

ہمیں خوب معلوم ہیں جو وہاں ہیں۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا۔

"وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم" [سورۃ الانفال ۔ ۳۳]

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

(۱۳) خلیل علیہ الصلوۃ والسلام سے نقل فرمایا:

"ربنا وتقبل دعاء" [سورۃ ابراھیم۔ ٤٠]

اے ہمارے رب اور ہماری دعا سن لے۔

حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور ان کے خلیفوں کو ارشاد ہوا:

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم" [سورۃ غافر۔ ٦٠]

اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

(۱۴) خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کی معراج درخت دنیا پر ہوئی:

"فلما اتٰھا نودی من شاطی الوادی الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ" [سورۃ القصص۔ ٣٠]

پھر جب آگ کے پاس حاضر ہوا، ندا کی گئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے۔

حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی معراج سدرۃ المنتہٰی وفردوس اعلیٰ تک بیان فرمائی:

"عند سدرۃ المنتھٰی عندھا جنۃ الماوٰی" [سورۃ النجم۔ ١٤]

سدرۃ المنتھیٰ کے پاس اس کے پاس جنت الماوی ہے۔

(۱۵) کلیم علیہ الصلوۃ والسلام نے وقت ارسال اپنی دل تنگی کی شکایت نقل کی:

"ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الیٰ ھارون"

[سورۃ الشعراء۔ ١٣]

اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو تو ھارون کو بھی رسول کر۔

حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خود شرح صدر کی دولت بخشی اور اس سے منت عظمی رکھی:

"الم نشرح لک صدرک" [سورۃ الانشراح۔ ١]

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

(۱۶) کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حجاب نار سے تجلی ہوئی:

"فلما جاء ھا نو دی ان بو رك من فی النا ر ومن حو لھا"

[سورۃ النمل۔ ۸]

پھر جب آگ کے پاس آیا ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے یعنی، موسیٰ اور جو اس کے آس پاس میں یعنی فرشتے۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جلوۂ نور سے تجلی ہوئی اور وہ بھی غایت تحیم و تعظیم کے لئے بالفاظ ابہام بیان فرمائی:

"اذ یغشی السدرۃ ما یغشی" [سورۃ النجم۔ ۱۶]

جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

(۱۷) ہارون و کلیم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے فرمایا: انہوں نے فرعون کے پاس جاتے اپنا خوف عرض کیا:

"ربنا اننا نخا ف ان یفرط علینااو ان یطغی" [سورۃ طٰہٰ۔ ۴۵]

اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

اس پر حکم ہوا: "لا تخا فا اننی معکما اسمع واریٰ" [سورۃ طٰہٰ۔ ۴۶]

ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خود مژدۂ نگہبانی دیا:

"واللہ یعصمك من الناس" [سورۃ المائدۃ۔ ۶۷]

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

(۱۸) مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا! ان سے پرائی بات پر یوں سوال ہو گا:

"یعیسی ابن مریم ! اانت قلت للنا س اتخذونی وامی الٰھین من دو ن اللہ" [سورۃ المائدہ۔ ۱۱۶]

اے مریم کے بیٹے عیسیٰ، کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا

دوا اللہ کے سوا۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا اور منافقوں نے جھوٹے بہانے بنا کر نہ جانے کی اجازت لے لی، اس پر سوال تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ہوا، مگر یہاں جو شان لطف و محبت و کرم و عنایت ہے قابل غور ہے:

"عفا الله عنك لم اذنت لهم" [سورة التوبه۔۴۳]

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دیدیا۔

سبحان اللہ! سوال پیچھے ہے اور یہ محبت کا کلمہ پہلے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

(۱۹) مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل فرمایا، انہوں نے اپنی امتوں سے مدد طلب کی:

"فلما احس عیسٰی منهم الکفر قال من انصاری الی الله، قال الحواریون نحن انصار الله" [سورة آل عمران ۔ ۵۲]

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف سے حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت انبیاء و مرسلین کو حکم نصرت ہوا:

"لتؤمنن به ولتنصرنه" [سورة آل عمران ۔ ۸۱]

تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

غرض جو کسی محبوب کو ملا وہ سب اور اس سے افضل و اعلیٰ انہیں ملا۔ اور جو انہیں ملا وہ کسی کو نہ ملا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صلی الله تعالیٰ علیه و علیهم و علیٰ اٰله واصحابه و سلم وبارك و كرم۔
والحمد لله رب العالمين۔

تجلی الیقین ۶۷

## تفسیر القرآن بالاحادیث

یہ موضوع بسیط و عظیم ہے۔ امام احمد رضا کی تصانیف اس سے مالا مال ہیں۔

آپ کا طرز تحریر ہی یہ ہے کہ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اور کوئی بحث چھیڑتے ہیں تو پہلے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کی تفسیر میں احادیث کی کتابوں کو کھنگالتے ہیں اور صفحہ قرطاس پر جب حدیثوں کے موتی بکھیرتے ہیں تو حفاظ حدیث کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

## مثال اول:

عقیدہ ختم نبوت کے ثبوت میں قرون اولیٰ سے یہ آیت پیش کی جاتی رہی ہے۔

"ما کان محمد ابآ احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین"

[سورۃ الاحزاب ۔ ۴۰]

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہی بیان کیا جاتا رہا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین میں پچھلے اور سب کے بعد آخر زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ یہ عقیدہ ضروریات دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو۔ یا۔ اس میں ادنیٰ شک وشبہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے۔

بعض لوگوں یعنی وہابیہ کے قاسم العلوم مولوی قاسم نانوتوی نے اپنے دل سے معنی گڑھے اور بے جا تاویل کر کے اس کا مطلب بیان کیا کہ آپ نبی بالذات ہیں۔ لہٰذا آپ کے زمانہ میں یا اس کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔ معاذ اللہ رب العالمین۔

امام احمد رضا نے اس قول کو قرآن میں تحریف قرار دیا اور اس باطل عقیدہ کی دھجیاں اڑادیں اور سیکڑوں احادیث 'خاتم النبیین' کی تفسیر میں پیش فرمائیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ آپ کی بعثت سب کے آخر میں ہوئی۔ تفصیل کے لئے جزاء اللہ عدوہ۔ یا ہماری کتاب جامع الاحادیث کی جلد چہارم ملاحظہ کریں۔

بعض احادیث یہ ہیں:

۱۔ عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : انما مثلی ومثل الانبیاء کرجل بنی داراً فاکملها واحسنها الا موضع لبنة ، فجعل الناس یدخلونها ویتعجبون منها ویقولون : لولا موضع اللبنة فانا موضع اللبنة فختم بی الانبیاء ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان پورا کامل اور خوبصورت بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی، تو جو اس گھر میں جا کر دیکھتا کہتا یہ مکان کس قدر خوب ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ وہ خالی ہے۔ تو اس اینٹ کی جگہ میں ہوا، مجھ سے انبیاء ختم کر دیئے گئے۔ المبین ۱۲۳

۲۔ عن حذیفة ابن الیمان رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : فی امتی کذابون ودجالون سبعة و عشرون ،منهم اربعة نسوة ، وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت دعوت میں ستائیس دجال کذاب ہوں گے، ان میں چار عورتیں ہوں گی حالانکہ بیشک میں خاتم النبیین ہوں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۳۔ عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : نزل آدم بالهند واستوحش فنزل جبریل فنادی بالاذان : الله اکبر ۔ مرتین ، اشهد ان لا اله الا الله ۔مرتین ، اشهد ان محمداً رسول الله ۔ مرتین ، قال : آدم من محمد قال : آخر ولدك من الانبیاء ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام بہشت سے ہند میں اترے تو گھبرائے،

جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اتر کر اذان دی، جب نام پاک آیا آدم علیہا لصلوۃ والسلام نے پوچھا: محمد کون ہیں؟ کہا: آپ کی اولاد میں سب سے پچھلے نبی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جزاء اللہ عدوہ ۱۵

٤ ـ عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان لی اسماء، انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی واناالعاقب الذی لیس بعدہ نبی

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک میرے متعدد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں میرے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا، میں عاقب ہوں اور عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ جزاء اللہ عدوہ ۲۳



٥ ـ عن ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ ادرک بی الاجل المرجواختار نی اختیارافنحن الآخرون ونحن السابقون یوم القیامۃ ـ

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ نے مجھے مدت اخیر وزمانۂ انتظار پر پہنچایا اور مجھے چن کر پسند فرمایا تو ہمیں سب سے پچھلے اور ہمیں روز قیامت سب سے اگلے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جزاء اللہ عدوہ ۳۳

٦ ـ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سب نبیوں سے پہلے پیدا ہوا اور سب کے بعد بھیجا گیا۔

٧ ـ عن ابی ذرالغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اول الرسل آدم وآخرھم محمد ـ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب رسولوں میں پہلے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور سب میں پچھلے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جزاء اللہ عدوہ ۴۰

## مثال دوم:

کفار و مشرکین سے استعانت ناجائز و حرام ہے۔ اس کے ثبوت میں امام احمد رضا نے اپنی کتاب "المحجة المؤ تمنة" میں تحقیق و تدقیق غایت و نہایت کو پہنچادی ہے۔

منجملہ آیاتِ حرمتِ استعانت میں ایک آیت یہ بھی پیش فرمائی۔

" لا يتخذ المؤمنو ن الكا فرين اوليا ء من دو ن المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله فى شىء" [سو رة ال عمران ـ ۲۳]

مسلمان کافروں کو اپنا دوست (مددگار) نہ بنائیں مسلمانوں کے سوا، اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا۔

پھر اس آیت کی تفسیر میں احادیث کی طرف رجوع فرمایا تو حدیثوں کا سیل رواں دکھائی دیتا ہے۔ پھر ہر حدیث کی تصحیح و تحسین، رجال احادیث کی توثیق و تعدیل، آپ کی بالغ نظری، استحضار کامل اور تفحص تام کا پتہ دیتی ہے۔ چند احادیث یہ ہیں۔

۸۔ عن أم المؤمنين عائشة الصديقة رضى الله تعالىٰ عنها قالت :إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خَرَجَ اِلىٰ بَدْرٍ فَتَبِعَهٗ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَلَحِقَهٗ عِنْدَ الْحَمْرَةِ فَقَالَ: اِنِّي اَرَدْتُ اَنْ اَتَّبِعَكَ وَ اُصِيْبَ مَعَكَ ، قَالَ : تُومِنُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؟ قَالَ:لَا،قَالَ: اِرْجِعْ ،فَلَنْ نَسْتَعِيْنَ بِمُشْرِكٍ، قَالَ:ثُمَّ لَحِقَهٗ عِنْدَ الشَّجَرَةِ ، فَفَرِحَ بِذٰلِكَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلى اللّٰه تَعَالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ لَهٗ قُوَّةٌ وَ جَلدٌ۔ فَقَالَ : جِئْتُ لِاَ تْبَعَكَ وَ اُصِيْبَ مَعَكَ ، قَالَ : تُوْمِنُ بَاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ؟ قَالَ: لَا ، قَالَ : اِرْجِعْ، فَلَنْ اَسْتَعِيْنَ بِمُشْرِكٍ ،قَالَ: ثُمَّ لَحِقَهٗ حِيْنَ ظَهَرَ عَلىٰ الْبَيْدَاءِ، فَقَالَ لَهٗ: مِثْلَ ذٰلِكَ، قَالَ:تُو مِنُ بَاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ : فَخرج۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے، سنگستان وبرہ (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جسکی جرأت و بہادری مشہور تھی حاضر ہوا۔ صحابہ کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔ اس نے عرض کی: میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے؟ کہا: نہ، فرمایا: پلٹ جا، ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔ پھر حضور تشریف لے چلے۔ جب ذوالحلیفہ پہونچے (کہ مدینہ طیبہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا، صحابہ کرام خوش ہوئے کہ واپس آیا، وہی پہلی بات عرض کی: حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا: کہ کیا تو اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے؟ کہا: نہ، فرمایا: واپس جا، ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔ پھر حضور تشریف لے چلے۔ جب وادی میں پہونچے وہ پھر آیا۔ صحابہ کرام خوش ہوئے۔ اس نے وہی عرض کی: حضور نے فرمایا: کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ عرض کیا: ہاں، فرمایا: ہاں اب چلو۔

۹۔ عن حبیب بن یساف رضی الله تعالیٰ عنه قال: خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرِیْدُ وَجهاً فَأتَیتُ أنَاوَرَجُلٌ مِنْ قَوْمِی، فَقُلْنَا: اِنَّا نَکْرَهُ اَنْ یَّشْهَدَ قَوْمُنَا مَشْهَدًا وَ لَا نَشْهَدُهٗ مَعَهُمْ، فَقَالَ: أَسْلَمْتُمَا؟ فَقُلْنَا: لَا، قَالَ: فَاِنَّا لَا نَسْتَعِیْنُ بِالْمُشْرِکِیْنَ، قَالَ: فَأَسْلَمْنَا وَشَهِدْنَامَعَهٗ، فَضَرَبَنِی رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ عَلیٰ عَاتِقِیْ فَقَتَلْتُ رَجُلًا، وَ تَزَوَّجْتُ بِابْنَتِهٖ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَکَانَتْ تَقُوْلُ: لَا عُدَمْتَ رَجُلًا وَ شحكَ هٰذا الوِشَاحُ، فَأَقُوْلُ لَهَا: لَا عُدَمْتُ رَجُلًا أعْجَلْتُ أبَاكَ اِلیٰ النَّارِ۔

حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ (یعنی بدر) کو تشریف لئے جاتے تھے۔ میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہا: نہ، فرمایا: ہم تم مشرکوں سے

مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے۔ایک مشرک نے میرے کاندھے پر وار کیا تو میں نے اسے قتل کر ڈالا۔پھر کچھ ایام بعد میں نے اسکی بیٹی سے شادی کر لی۔وہ کہتی تھی: تم نے اپنی اس تلوار سے ایک مرد کو فنا کر دیا، تو میں کہتا: میں نے فنا نہیں کیا بلکہ تیرے باپ کو جہنم میں جلدی بھیج دیا۔

۱۰۔ عن أبی حمید الساعدی رضی الله تعالیٰ عنه قال : خَرَجَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّى اِذَا خَلَّفَ ثَنِيَّةَ الوِدَاعِ اِذَا كَتِيْبَةٌ ، قَالَ : مَنْ هٰؤُلَآءِ ، قَالُوا: بَنِي قَينقَاعِ وَ هُورَهْطُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، قَالَ: أَسْلَمُوا ؟ قَالُوا : لَا ، بَلُ هُمْ عَلىٰ دِيْنِهِمْ ، قَالَ :قُلْ لَهُمْ : فَلْيَرْجِعُوْا،فَاِنَّا لَا نَسْتَعِيْنُ بِالْمُشْرِكِيْنَ -

المحجۃ المؤتمنہ ص ۶۲

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے۔جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا، ارشاد ہوا: یہ کون؟ عرض کی گئی: یہود بنی قینقاع قوم عبداللہ بن سلام فرمایا: کیا اسلام لے آئے۔عرض کی: نہ، وہ اپنے دین پر ہیں۔فرمایا: ان سے کہہ دو لوٹ جائیں، ہم مشرکین سے مدد نہیں مانگتے۔

## مثال سوم

حضور افضل المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار فضائل عطا فرمائے، اس کا استقصاء و احاطہ ممکن نہیں۔آپ کی عظمت شان اور فضیلت مقام کی گواہی قرآن کے ساتھ دیگر کتب آسمانی بھی دیتی ہیں۔بلکہ ہر نبی ورسول کا وظیفہ ہمارے سرکار کے مناقب و محامد رہا۔اور ان سب سے ان کا عہد و میثاق میں وعدہ لیا گیا تھا۔لہٰذا وہ سب اپنے اپنے زمانوں، شہروں اور قوموں میں اس کا اعلان کرتے آئے حتیٰ کہ سیدنا حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ان کے آخر میں آئے تو صاف اعلان فرمایا۔

”ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمه احمد“[سورۃ الصف۔٦]

قرآن سے آپ کی فضیلت کلیہ ثابت کرنے کے سلسلہ میں امام احمد رضا نے یہ آیت پیش فرمائی۔

" تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض " [سورۃ البقرۃ ۔ ۲۵۳]

پھر اس کی صراحت اور مختلف النوع فضائل کا اثبات احادیث مبارکہ سے فرمایا، گویا یہ احادیث اس آیت کی تفسیر فرما رہی ہیں۔

بعض احادیث ملاحظہ کریں۔

۱۱ ۔ عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا ، وموسی نجیا و اتخذنی حبیبا ، ثم قال: وعزتی و جلالی لا وثرن حبیبی علی خلیلی و نجی ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل اور حضرت موسیٰ کو نجی کیا اور مجھے اپنا حبیب بنایا اور پھر فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! بے شک اپنے پیارے کو اپنے خلیل ونجی پر تفضیل دوں گا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

۱۲ ۔ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : قال لی ربی عزوجل : نحلت ابراھیم خلتی ، و کلمت موسی تکلیما ، واعطیتك یا محمد کفاحا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے میرے رب عزوجل نے فرمایا: میں نے ابراہیم کو اپنی خلت بخشی، اور موسیٰ سے کلام کیا، اور تجھے اے محمد! اپنا مواجھہ عطا فرمایا کہ پاس آکر بے پردہ وحجاب میرا وجہ کریم دیکھا۔

۱۳ ۔ عن وھب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : ان اللہ تعالیٰ اوحی فی الزبور ، یا داؤد ! انہ سیاتی بعدك من اسمہ احمد و محمد صادقا نبیا لا اغضب علیہ ابدا ، ولا یعصینی ابدا ( الی قولہ ) امتہ امۃ رحمۃ اعطیتھم من النوافل مثل ما اعطیت

الانبیاء ، اوافرضت علیھم الفرائض التی افترضت علی الانبیاء والمرسلین حتی یاتونی یوم القیامۃ و نورھم مثل نور الانبیاء ( الی ان قال ) یا داؤد ! انی فضلت محمدا و امتہ علی الامم کلھم ۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور مقدس میں وحی بھیجی ، اے داؤد! عنقریب تیرے بعد وہ سچا نبی آئے گا جس کا نام احمد ومحمد ہے۔ میں کبھی اس سے ناراض نہ ہوں گا اور نہ وہ کبھی میری نافرمانی کرے گا۔ اس کی امت امت مرحومہ ہے۔ میں نے انہیں وہ نوافل عطا کئے جو پیغمبروں کو دئے۔ اور ان پر وہ احکام فرض ٹھہرائے جو انبیاء ورسل پر فرض تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ میرے پاس روز قیامت اس حال پر حاضر ہوں گے کہ ان کا نور مثل نور انبیاء کے ہوگا۔ اے داؤد میں نے محمد کو سب سے افضل کیا اور اس کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۴ ۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: فضلت علی الانبیاء بست ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں چھ باتوں میں تمام انبیاء کرام پر فضیلت دیا گیا۔

۱۵ ۔ عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : ان جبرئیل بشرنی بعشر لم یؤ تھن نبی قبلی ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبرئیل نے مجھے دس چیزوں کی بشارت دی کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملیں۔

۱۶۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : انا اول من تنشق عنہ الارض فاکسنی حلۃ من حلل الجنۃ، اقوم عن یمین العرش لیس احد من الخلائق یقوم ذلک المقام غیری ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لاؤ نگا، پھر مجھے جنت کے جوڑوں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا، میں عرش کی داہنی جانب ایسی جگہ کھڑا ہونگا جہاں تمام مخلوق الٰہی بمیں کسی کو بار نہ ہوگا۔

۱۷ ـ عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : اول من یکسی ابراهیم ثم یقعد مستقبل العرش ثم ادنی بکسوتی فلبستها فاقوم عن یمینه مقاما لایقوم احد غیری یغبطنی فیه الاولون والآخرون ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو جوڑا پہنایا جائیگا، وہ عرش کے سامنے بیٹھ جائینگے، پھر میری پوشاک حاضر کی جائیگی، میں پہنکر عرش کی دائیں جانب ایسی جگہ کھڑا ہونگا جہاں میرے سوا دوسرے کو بار نہ ہوگا، اگلے پچھلے مجھ پر رشک لے جائینگے ـ

تجلی الیقین ۱۲۷

۱۸ـ عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : اتی باب الجنة یوم القیامة فاستفتح ،فیقول الخازن : من انت ؟ فاقول : محمد ،صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، فیقول : بك امرت لاافتح لاحد قبلك۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں روز قیامت در جنت پر تشریف لاکر کھلواؤ نگا، داروغہ عرض کرے گا: کون ہے؟ میں فرماؤ نگا: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ـ عرض کرے گا: مجھے حضور ہی کے واسطے حکم تھا کہ حضور سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں ـ طبرانی کی روایت میں ہے ـ داروغہ قیام کرکے عرض کرے گا ـ نہ میں حضور سے پہلے کسی کے لئے کھولوں، نہ حضور کے بعد کسی کے لئے قیام کروں ـ

تجلی الیقین ۱۲۸

۱۹ ـ عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه

وسلم : انا اول من یدخل الجنة و لا فخر ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں رونق افروز ہونگا، اور کچھ فخر مقصود نہیں۔
تجلی الیقین ۱۲۸

## تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین العظام

اس موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے تفسیری مباحث آپ کی تصانیف میں کثرت سے موجود ہیں۔ آپ جب کسی آیت کو موضوع سخن بناتے ہیں تو احادیث کریمہ کے بعد صحابہ کرام کے ارشادات اور تابعین عظام کے اقوال سے مطلب کی خوب خوب وضاحت فرماتے ہیں۔

کسی آیت کے منسوخ و محکم ہونے کا فیصلہ اپنی رائے سے نہیں بلکہ یا تو دسری آیات کے ذریعہ۔ یا احادیث کی روشنی میں۔ یا پھر آثار صحابہ و تابعین عظام سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ ایسی آیات جن کا مفہوم باہم متنافی ہو تو ظاھر ہے کہ ان کا مورد و مصداق بھی جدا گانہ ہوگا۔ بصورت دیگر ایک آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہوگی اور ان چیزوں کا علم مندرجہ بالا طریقوں کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔ امام احمد رضا نے ان تمام مباحث سے متعلق اپنی تصانیف میں بیش بہا اور قیمتی معلومات جمع کی ہیں۔ ان میں چند ہدیہ قارئین ہیں۔

### مثال اول:

”لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقا تلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیارکم ان تبروھم وتقسطلو ا الیھم ط ان اللہ یحب المقسطین“

[سورۃ ممتحنہ ۔ ۸]

اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالے کہ ان کے ساتھ احسان کرو، ان سے انصاف کا برتاؤ برتو۔ بیشک انصاف والے

اللہ کو محبوب ہیں۔

اولاً: اس آیت کے تعلق سے آپ نے یہ بتایا کہ یہ آیت محکم ہے اور یہ ہی اکثر اہل تاویل کا مسلک۔

فرماتے ہیں:

ایک آیہ کریمہ کے بیان پر اقتصار کروں کہ وہی سب ان چھوٹے بڑے لیڈروں کی نقل مجلس ہے۔یعنی کریمۂ ممتحنہ "لا ینھٰکم اللہ الآ یۃ"

اس میں اکثر اہل تاویل جن میں سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں: اس سے مراد بنوخزاعہ ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔رب عزوجل نے فرمایا:

ان کی مدت عہد تک ان سے بعض نیک سلوک کی تمہیں ممانعت نہیں۔

امام مجاھد تلمیذ اکبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ ان کی تفسیر بھی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ہی سمجھی جاتی ہے فرماتے ہیں: ان کے ساتھ نیک سلوک منع نہیں۔

بعض مفسرین نے کہا: مراد کافروں کی عورتیں اور بچے ہیں جن میں لڑنے کی قابلیت ہی نہیں۔

قول اکثر کی حجت حدیث بخاری و مسلم واحمد وغیرہ ہے سیدتنا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ان کی والدہ قتیلہ بحالت کفر آئی اور کچھ ھدایا لائی۔انھوں نے نہ اس کے ہدیے قبول کئے نہ آنے دیا کہ تم کافرہ ہو۔جب تک سرکار سے اذن نہ ملے تم میرے پاس نہیں آسکتیں۔حضور میں عرض کی: اس پر آیہ کریمہ اتری کہ ان سے ممانعت نہیں۔یہ واقعہ صلح و معاھدہ کا ہے۔خصوصاً یہ تو ماں کا معاملہ تھا اور ماں باپ کے لئے مطلقاً ارشاد ہے۔

"وصاحبھما فی الدنیا معروفا" [سورۃ لقمان ۔ ۱۵]

دنیوی معاملوں میں ان کے ساتھ اچھی طرح رہ۔

ظاہر ہے کہ قول امام مجاھد پر تو آیہ کریمہ سے تعلق ہی نہیں خاص مسلمانوں کے بارے میں ہے۔اور نہ وہ اب کسی طرح قابل نسخ۔اور قول سوم یعنی ارادۂ نساء وصبیان پر بھی اگر

منسوخ نہ ہوتو ان دوستان ہنود کو نافع نہیں کہ یہ جن سے وداد واتحاد منا رہے ہیں۔ وہ عورتیں بچے نہیں۔

قول اول پر بھی کہ آیت اہل عہد و ذمہ کے لئے ہے۔ اور یہی قول اکثر جمہور ہے۔ آیت کریمہ میں نسخ ماننے کی کوئی حاجت نہیں۔ لاجرم اکثر اہل تاویل اسے حق مانتے ہیں۔ اور اسی پر ہمارے ائمہ حنفیہ نے اعتماد فرمایا کہ آیت

"لاینھٰکم" در بارۂ اہل ذمہ، اور آیت کا "ینھٰکم اللہ" حربیوں کے بارے میں ہے۔ اسی بنا پر ہدایہ و درر و غیرہما کتب معتمدہ نے فرمایا: کافر ذمی کے لئے وصیت جائز ہے۔ اور حربی کے لئے باطل و حرام۔ کہ آیت "لا ینھٰکم اللہ" نے ذمی کے ساتھ احسان جائز فرمایا۔ اور آیت "انماینھٰکم اللہ" نے حربی کے ساتھ احسان حرام۔ (فتاوی رضویہ جدید)

ثانیاً:۔ امام احمد رضا نے اس آیت کو بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک منسوخ بتایا، اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی۔

آیت کریمہ میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑیں۔ ان کے نزدیک وہ ضرور آیات قتال و غلظت سے منسوخ ہے۔ اجلہ ائمہ تابعین مثل امام عطا بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابوحنیفہ جن کی نسبت امام اعظم فرماتے:۔

"ما رایت افضل من عطا" میں نے امام عطا سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولی امیر المومنین عمر فاروق اعظم۔

وقتادہ تلمیذ خاص حضرت انس خادم خاص حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالی عنھم۔ نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی۔ (فتاوی رضویہ جدید)

امام احمد رضا نے اس مطلب کے ثبوت میں تفسیر قرطبی، تفسیر جمل، تفسیر درمنثور، تفسیر جامع البیان۔ تفسیر ابوشیخ بن حبان۔ تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابوالسعود، تفسیر عنایت القاضی، تفسیر خطیب شربینی، اور تفسیر جلالین کے حوالے پیش فرمائے جو بلاشبہ آپ کی وسعت نظر کا عکاس ہیں۔

## مثال دوم:

تبذیر واسراف دو علیحدہ لفظ ہیں۔ کیا دونوں کے معانی بھی جدا ہیں؟ یا ایک ہی معنی پر بولے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا کی تحقیقات اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

" قال اللہ تعالیٰ: ولا تبذر تبذیرا " [سورۃ الاسراء ۔ ۲۶]

مال بیجا نہ اڑا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

تبذیر کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) وہ اور اسراف دونوں کے معنی ناحق صرف کرنا۔

اقول: یہی صحیح ہے کہ یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول مسدد فریابی، سنن سعید بن منصور، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، ادب مفرد امام بخاری تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن منذر، معجم کبیر طبرانی، مستدرک حاکم اور شعب ایمان امام بیہقی نے نقل فرمایا ہے۔ تفسیر ابن جریر میں اس کے لفظ یوں نقل فرمائے۔

" قال التبذیر فی غیر الحق وھو الاسراف "

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تبذیر ناحق خرچ کو کہتے ہیں۔ یہی اسراف ہے۔

اور دوسری سند سے یوں مروی ہے۔

" قال کنا اصحاب محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نتحدث ان التبذیر النفقۃ فی غیر حقہ "

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم اصحاب محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تبذیر ناحق خرچ کو کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما کا قول سنن سعید بن منصور، ادب مفرد امام بخاری۔ شعب الایمان امام بیہقی، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن منذر نے نقل کیا۔

"المبذر منفق فی غیر حقه"

مبذر ناحق خرچ ہے۔

ابن جریر میں ایک روایت ان سے یہ ہے "

لا تنفق فی الباطل فان المبذر ھو المسرف فی غیر حقه"

تو باطل میں خرچ نہ کر کہ مبذر ناحق خرچ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

وقال مجاھد: لو انفق انسان ماله فی الحق ما کان تبذیرا ولو انفق مدا فی الباطل کان تبذیرا"

اور امام مجاہد نے فرمایا: اگر انسان اپنا کل مال بھی حق میں خرچ کردے تب بھی تبذیر نہیں۔ اور اگر ایک مد بھی باطل میں خرچ کرے تو یہ تبذیر ہے۔

نیز قتادہ سے راوی۔

" التبذیر نفقة فی معصیة الله تعالٰی و فی غیر الحق و فی الفساد"

تبذیر اللہ کی نافرمانی میں خرچ کو کہتے ہیں اور اسی طرح غیر حق میں اور فساد میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔

(۲) ان دونوں میں فرق ہے۔ تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے،

ابن جریر عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی۔

"لا تبذر تبذیرا لا تعط فی المعاصی"

تبذیر معاصی میں خرچ کرنا۔

اس تقدیر پر اسراف تبذیر سے عام ہوگا کہ ناحق صرف کرنا عبث میں صرف کو بھی شامل، اور عبث مطلقاً گناہ نہیں، تو از آنجا کہ اسراف ناجائز ہے یہ صرف معصیت ہوگا، مگر جس میں صرف کیا وہ خود معصیت نہ تھا۔ اور عبارت

" لا تعط فی المعاصی " کا ظاہر یہی ہے کہ وہ کام خود ہی معصیت ہو۔ بالجملہ تبذیر کے مقصود

وحکم دونوں معصیت ہیں اور اسراف کوصرف حکم معصیت لازم =

## مثال سوم =

قا ل اللہ تعالی: سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجو د "

[سورۃ الفتح ۔ ۲۹ ]

ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدے کے اثر سے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں: کہ صحابہ وتابعین سے اس نشانی کی تفسیر میں چار قول ماثور ہیں۔

## قول اول =

وہ نور کہ روز قیامت ان کے چہروں پر برکت سجدہ سے ہوگا۔

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، امام حسن بصری، عطیہ عوفی، خالد حنفی اور مقاتل بن حیان سے ہے۔

## قول دوم =

خشوع وخضوع وروش نیک جس کے آثار صالحین کے چہروں پر دنیا میں ہی بے تصنع ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور امام مجاہد سے ہے۔

## قول سوم =

چہرہ کے زردی کہ قیام اللیل وشب بیداری میں پیدا ہوتی ہے۔

یہ امام حسن بصری، ضحاک، عکرمہ اور شمر بن عطیہ سے۔

## قول چہارم =

وضو کی تری اور خاک کا اثر کے زمین پر سجدہ کرنے سے ماتھے اور ناک پر مٹی لگ جاتی ہے۔ یہ امام سعید بن جبیر اور عکرمہ سے ہے۔

ان میں پہلے دو قول اقوی واقدم ہیں کہ دونوں خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حدیث سے مروی ہیں۔ اور سب سے قوی ومقدم پہلا قول ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی

علیہ وسلم کے ارشاد سے بسند حسن ثابت ہے۔

رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط والصغیر وابن مردویہ عن ابیبن کعب رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی قولہ عز وجل: سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود وقال :النور یوم القیامۃ "

ولہٰذا امام جلال الدین محلی نے جلالین میں اسی پر اقتصار کیا۔

قول سوم میں قدر ضعف ہے کہ وہ اثر بیداری ہے نہ اثر سجود۔ہاں بیداری بغرض سجود ہے۔

اور چہارم سب سے ضعیف تر ہے۔وضو کا پانی اثر سجود نہیں۔اور مٹی بعد نماز چھڑا دینے کا حکم ہے۔یہ سیما ونشانی ہوتی تو زائل نہ کی جاتی۔امید ہے کہ سعید بن جبیر سے اس کا ثبوت نہ ہو بہر حال یہ سیاہ دھبہ کہ بعض کے ماتھے پر کثرت سجود سے پڑتا ہے تفاسیر ماثورہ میں اس کا پتہ نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباس وسائب بن یزید ومجاہد رضی اللہ تعالی عنھم سے اس کا انکار ماثور۔طبرانی نے معجم کبیر اور بیہقی نے سنن میں حمری بن عبد الرحمٰن سے روایت کی ہے۔

میں سائب بن یزید رضی اللہ تعالی عنھما کے پاس حاضر تھا،اتنے میں ایک شخص آیا جس کے چہرہ پر سجدہ کا داغ تھا۔سائب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: لقد افسد ھذا وجھہ اما واللہ ماھی السیما التی سمی اللہ ولقد صلیت علی جبھتی منذ ثمانین سنۃ ما اثر السجود بینی عینی "بیشک اس شخص نے اپنا چہرہ بگاڑ لیا۔سنتے ہو خدا کی قسم یہ وہ نشانی نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔میں اسی (۸۰) برس سے نماز پڑھتا ہوں میرے ماتھے پر داغ نہ ہوا۔

سعید ابن منصور وعبد بن حمید وابن نصر وابن جریر نے مجاھد سے روایت کی اور یہ سیاق اخیر ہے۔

" حدثنا ابن حمید ثنا جریر ابن منصور ان مجاھدا فی قولہ تعالیٰ: سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود وقال :ھو الخشوع فقلت :ھو اثر السجود فقال: انہ یکون بین عینیہ مثل رکبۃ العنز وھو کما شاء اللہ "

یعنی منصور بن المعتمر کہتے ہیں امام مجاھد نے فرمایا: اس نشانی سے خشوع مراد ہے ۔میں نے کہا بلکہ داغ جو سجدہ سے پڑتا ہے فرمایا: ایک کے ماتھے پر اتنا بڑا داغ ہوتا ہے جیسے بکری کا گھٹنا، اور باطن میں ویسا ہے جیسی اس کے لئے خدا کی مشیت ہوئی یعنی یہ دھبہ تو منافق بھی ڈال سکتا ہے۔

ابن جریر نے بطریقہ مجاھد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کی کہ فرمایا:

"اما انہ لیس با لذی ترو ن ولکنہ سیما الا سلام ومجیتہ وسمتہ وخشو عہ"

خبردار یہ وہ نہیں جو تم لوگ سمجھتے ہو بلکہ یہ اسلام کا نور، اس کی خصلت، اس کی روش، اس کا خشوع ہے۔

بلکہ تفسیر خطیب شربینی پھر فتوحات سلیمانیہ میں ہے۔ "قا ل البقـا ئی ولا یظن ان من السیما ما یصنعه بعضه المرا ئین من اثر هیائة سجو د فی جبهته فا ن ذا لك من سیما الخوا ر ج وعن ابن عبا س عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم انه قا ل لأ بغض الرجل وا کرهه اذا رأیت بین عینیه اثر السجو د "

یعنی یہ نشان سجدہ جو بعض ریا کار اپنے ماتھے پر بنا لیتے ہیں یہ اس نشانی سے نہیں ہے ۔یہ خارجیوں کی نشانی ہے اور ابن عباس سے روایت مرفوع آئی کہ میں آدمی کو دشمن ومکروہ رکھتا ہوں جبکہ اس کے ماتھے پر سجدہ کا اثر دیکھتا ہوں۔

اقول: اس روایت کا حال اللہ جانے اور بفرض ثبوت وہ اس پر محمول جو دکھاوے کے لئے ماتھے اور ناک کی مٹی نہ چھڑائے کہ لوگ جانیں کہ یہ ساجدین سے ہے اور وہ انکار بھی سب اسی صورت ریا کی طرف راجع، ورنہ کثرت سجود یقیناً محمود اور ماتھے پر اس سے نشان خود بن جانا ،نہ اس کا روکنا اس کی قدرت میں ہے نہ زائل کرنا، نہ اس کی اس میں کوئی نیت فاسد ہے۔تو اس پر انکار نا متصور اور مذمت ناممکن بلکہ وہ من جانب اللہ اس کے عمل حسن کا نشان اس کے چہرے پر ہے۔تو زیر آیہ کریمہ " سیما هم فی وجو ههم من اثر السجو د "داخل ہوسکتا ہے کہ جو معنی

فی نفسہ صحیح ہو اور اس پر دلالت لفظ مستقیم اسے معانی آیات قرآنیہ سے قرار دے سکتے ہیں: "کما صرح به الامام حجۃ الاسلام وعلیه درج عامة المفسرين الاعلام"

اب یہ نشان اسی محمود و مسعود نشانی میں داخل ہوگا جس کی تعریف اس آیت کریمہ میں ہے۔ کہ بلاشبہ یہ امر جس طور پر ہم نے تقریر کی فی نفسہ عمل حسن سے ناشی اور اس کی نشانی اور الفاظ آیت کریمہ میں اسکی گنجائش ہے۔ لاجرم تفسیر نیشاپوری میں اسے بھی آیت میں برابر کا محتمل رکھا۔ تفسیر کبیر میں اسے بھی تفسیر آیت میں ایک قول بتایا۔ کشاف وارشاد العقل میں اسی پر اعتماد کیا۔ بیضاوی نے اسی پر اقتصار کیا۔ اور اس کے جائز بلکہ محمود ہونے کو اتنا بس ہے کہ سیدنا امام سجاد زین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی پیشانی نورانی پر سجدہ کا یہ نشان تھا

(فتاویٰ افریقہ ص ۷۳)

## تفسیر القرآن باللغات العربیہ والقواعد الاسلامیہ

علوم عربیہ اور قواعد اسلامیہ کے میدان میں امام احمد رضا اجتہادی شان کے مالک تھے، بہت سے اصول وقواعد کے تعلق سے آپ نے مستقل کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصانیف میں لسانی علوم اور فنی قوانین وضوابط کے مناظر شمار سے باہر ہیں۔ علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں دستگاہ کامل اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔

نحوی وصرفی قواعد، معانی وبیان وبدیع، اصول تفسیر وحدیث وفقہ وغیرہا تمام علوم وفنون کی وضع ہی قرآن وحدیث کے افہام وتفہیم کے لئے ہوئی۔ اور مفسرین ومحدثین، فقہا ومجتہدین نے علوم ومعارف کے جو دریا بہائے وہ انہیں علوم کی مرہون منت ہیں۔

لہٰذا تفسیر قرآن کے وقت ان کو پیش نظر رکھنا ضروری اور اہم ہے۔

امام احمد رضا اس زاویۂ نگاہ سے جب تفسیر قرآن پیش فرماتے ہیں تو وجوہ قرآن سے حجاب اٹھتے نظر آتے ہیں۔ اور کلام الٰہی کی اعجازی شان نمایاں ہوتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے اور اپنی مشام جان وروح ایمان کو معطر ومنور کیجئے۔

## مثال اول:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انبیاء و مرسلین کے درمیان جو امتیازی شان حاصل ہے وہ قرآن کریم کی ہر ہر سورت سے عیاں ہے۔ اور آپ کی شان والا کا جو اہتمام منظور خدا ہے وہ پورے قرآن سے جلوہ فشاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین فمن تولّٰی بعد ذلک فاولٰئک ھم الفاسقون" [سورۃ آل عمران ۔ ۸۱۔ ۸۲]

اور یاد کروائے محبوب! جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا:

کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اب امام احمد رضا کا ایمان افروز تفسیری بیان ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں۔

اقول وباللہ التوفیق = پھر دیکھنا یہ ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان فرمایا ہے۔ اور طرح طرح سے مؤکد فرمایا۔

اولاً = انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء معصومین ہیں، زنہار حکم الٰہی کا خلاف ان سے محتمل نہیں۔ کافی تھا کہ رب تبارک وتعالیٰ بطریق امر انہیں ارشاد فرماتا۔ اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مگر اس قدر پر اکتفانہ فرمایا۔ بلکہ ان سے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد، عہد 'الست بربکم ، کے بعد دوسرا پیمان تھا، جیسے کلمۂ طیبہ میں "لاالٰہ الا اللہ" کے ساتھ

محمد رسو ل الله" تا کہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوی اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے۔ پھر اس کے برابر رسالت محمدیہ پر ایمان۔ صلی اللہ تعالی علیه وسلم وبارك وشرف وجل وعظم۔

ثانیاً = اس عہد کو لام قسم سے مؤکد فرمایا۔ لتؤ منن بہ ولتنصرنہ" جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں۔

امام سبکی فرماتے ہیں: شاید سوگند بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے۔

ثالثاً = نون تاکید۔

رابعاً = وہ بھی ثقیلہ لاکر ثقل تاکید کو اور دوبالا فرمایا۔

خامساً = یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء ابی جواب نہ دینے پائے تھے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں: أ اقررتم " کیا اس امر پر اقرار لاتے ہو یعنی کمال تعجیل وتجیل مقصود ہے۔

سادساً = اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی۔ بلکہ ارشاد ہوا۔ واخذتم علیٰ ذلکم اصری " خالی اقرار ہی نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

سابعاً = 'علیه یا علی هذا ' کی جگہ علی ذلکم، فرمایا کہ بُعد اشارت دلیل عظمت ہو۔

ثامناً = اور ترقی ہوئی کہ ' فا شهدو ا ' ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ حالانکہ معاذ اللہ اقرار کر کے مکر جانا ان پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا!

تاسعاً = کمال یہ ہے کہ فقط ان گواہیوں پر بھی اکتفا نہ ہوئی، بلکہ ارشاد (فرمایا) " وانا معکم من الشھدین " میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

عاشراً = سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد آنکہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی یہ سخت شدید تہدید بھی فرما دی گئی" فمن تولی بعد ذلك فاو لئك هم الفا سقو ن " اب جو اس اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔

اللہ اللہ! یہ وہی اعتنائے تام اور اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور رہا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد کرتا ہے۔

”ومن یقل منهم انی اله من دو نه فذلك نجزيه جهنم كذ لك نجزی الظالمين“ [سورۃ انبیاء ۔ ۲۹۔]

اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزاء دیں گے' ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو۔

گویا اشارہ فرماتے ہیں: جس طرح ہمیں ایمان کے جزء اول ” لا الـه الا اللـه“ کا اہتمام ہے یوں ہی جزء دوم ”محمد رسول الله “ سے اعتنائے تام ہے۔ میں تمام جہان کا خدا کہ ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے، اور میرا محبوب، سارے عالم کا رسول اور مقتدا کہ انبیاء ومرسلین بھی اس کی بیعت وخدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔ والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيد المرسلين محمد و آله وصحبه اجمعين ۔

اس سے بڑھکر حضور کی سیادت عامہ وفضیلت تامہ پر کون سی دلیل درکار ہے۔ و للـه الحجة البا لغة = (تجلی الیقین ص)

## مثال دوم =

اللہ رب العزت جل جلالہ سچا ہے اور اس کی ہر صفت ازلی وابدی ہے۔ اس کے کلام میں شائبہ کذب کو ہرگز دخل نہیں۔ امام احمد رضا نے قواعد اسلامیہ کی روشنی میں آنے والی آیت کریمہ سے اللہ جل مجدہ کے لئے بر وجہ کمال صفت صدق کا ثبوت مانا اور کذب کو باری تعالیٰ کے لئے محال عقلی ثابت فرمایا۔ حالانکہ عموماً لوگ اس آیت کو صفت صدق کے ثبوت کے لئے تو سمجھتے ہیں لیکن کذب کے محال عقلی ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ومن اصدق من الله قيلا “ [سورۃ الانبیاء ۔ ۱۲۲]

اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

اب امام احمد رضا کی تفسیر و تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

اقول وباللہ التوفیق =

آیہ کریمہ نص جلی کہ کذب الٰہی محال عقل ہے۔ وجہ دلالت سنئے!

خادم تفسیر وحدیث وواقف کلمات فقہا پر روشن کہ امثال عبارات اگرچہ بظاہر نفی مزیت غیر کرتی ہیں مگر حقیقۃً تفضیل ونفی برتر وہمسر کے لئے مسوق ہوتی ہیں۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔

"ومن احسن من اللہ صبغۃ" [سورۃ البقرۃ۔ ۱۳۸]

یعنی صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے۔

"ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ" [سورۃ حم السجدۃ۔ ۳۳]

اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔ یعنی وہ دوسرے تمام سے قول میں خوبصورت ہے۔

تو لاجرم معنی آیت یہ ہیں کہ مولیٰ عزوجل کی بات سب کی باتوں سے زیادہ صادق ہے جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا۔ اور ظاہر کہ صدق کلام فی نفسہ اصلاً قابل تشکیک نہیں۔ کہ باعتبار ذوات قضایا یا خواہ کسی وجہ سے اس میں تفاوت مان سکیں۔ سچی سچی باتیں مطابقت واقع میں سب یکساں۔ اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سرے سے سچ ہی نہ رہا۔ اصدق وصادق کہاں سے صادق آئے گا۔ یہ معنی اگرچہ فی نفسہ بدیہی ہیں مگر کلام واحد میں لحاظ کرنے سے ان اغبیاء پر بھی انکشاف تام پائیں گے جنہیں بدیہیات میں بھی حاجت شانہ جنبانی وتنبیہ ہوتی ہے

قرآن عظیم نے فرمایا: محمد رسول اللہ "

اور ہم بھی کہتے ہیں۔ محمد رسول اللہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کیا وہ جملہ کہ قرآن میں آیا زیادہ مطابق واقع ہے، اور ہم نے جو کہا کم مطابق واقع ہے۔ حاشا کوئی مجنون بھی اس میں تفاوت گمان نہ کرے گا۔ یا متعدد باتوں میں دیکھئے تو یوں نظر کیجئے۔

فرقان عزیز نے فرمایا:

"وحمله وفصاله ثلثون شهراً" [سورۃ الاحقاف ـ ۱۵]

اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔

ہم کہتے ہیں "لا اله الا الله الملك الحق المبين"

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی مالک حق واضح ہے۔

کیا وہ ارشاد کہ بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوٹنا تیس مہینہ میں ہے، زیادہ سچا ہے؟ اور اس قول کے صدق میں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں معاذ اللہ کچھ کمی ہے؟

تو ثابت ہوا کہ اصدقیت بمعنی اشد مطابقت للواقع غیر معقول ہے۔ ہاں نظر سامع میں ایک تفاوت متصور، اور اس تشکیک اصدق وصادق میں وہی مقصود ومعتبر۔ جسے دو عبارتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ وقعت وقبول میں زائد ہے، مثلاً رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے، یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول ہوا گر وہی بعینہ رسول سے ثابت ہو جائے قلوب میں وقعت اور قبول کی قوت اور دلوں میں سکون وطمانیت ہی اور پیدا کرے گا کی ولی سے ثبوت تک اس کا عشر نہ تھا۔ اگرچہ بات حرف بحرف ہے۔

دوسرے احتمال کذب سے ابعد ہونا۔ مثلاً مستور کی بات سے عادل کی بات صادق تر ہے۔ یعنی بہ نسبت اس کے احتمالِ کذب سے زیادہ دور ہے۔ اور حقیقۃً تعبیر اول اسی تعبیر کی طرف راجع۔ کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمال کذب سے دوری ہوگی اسی درجہ وقعت ومقبولیت پوری ہوگی۔

جب یہ امر ممہد ہو گیا تو آیئہ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ اللہ عزوجل کی بات ہر بات سے زیادہ احتمال کذب سے پاک ومنزہ ہے۔ کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ اور شاید حضرات مخالفین بھی اس سے انکار کرتے کچھ خوف خدا دل میں لائیں۔

اب جو ہم خبر اہل تواتر کو دیکھتے ہیں تو وہ بالبداہت بروجہ عادت دائمہ ابدیہ غیر مخالفہ علم قطعی یقینی جازم ثابت غیر محتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے جس میں عقل کسی طرح تجویز خلاف روا

نہیں رکھتی اگرچہ بنظر نفس ذات مجرا امکان ذاتی باقی ہے کہ ان کا جمع علی الکذب قدرت الہیہ سے خارج نہیں۔ مگر ایسا امکان منافی قطع بالمعنی الاخص بھی نہیں ہوتا۔

"کما حققه فی المواقف وشرحها واشار الیه فی شرح المقاصد وشرح العقائد وغیرهما"

اسے پیش نظر رکھکر کہ کلام باری تعالیٰ کی طرف چلئے۔ امکان کذب ماننے کے بعد غایت درجہ اس قدر کہ کلام ربانی وخبر اہل تواتر کا نئے کی تول ہم پلہ ہونگے، جیسا کہ احتمال کذب یعنی نافی قطع ومنافی جزم اس کلام پاک میں نہیں اس سے خبر تواتر کا بھی دامن پاک، اور بنظر امکان ذاتی جو احتمال عقلی خبر تواتر میں ناشی وہ بعینہ کلام الہی میں بھی باقی۔ پھر کلام الہی کا سب کلاموں سے اصدق ہونا اور کسی کی بات اس سے صدقاً بھی ہمسری نہ کرسکنا کہ مفاد آیۂ کریمہ تھا معاذ اللہ کب درست آیا بخلاف عقیدۂ مجیدہ اہلسنت" وقایت الله لهم دامت"۔ یعنی امتناع عقلی کذب الہی کہ اس تقریر پر کلام مولیٰ جل وعلا میں کسی طرح احتمال کذب کا امکان نہیں بخلاف خبر تواتر کے، کہ احتمال کذب کا امکانی رکھتی ہے اور یہ بات قطعاً صرف اسی کے کلام پاک سے خاص۔ محال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیر خدا پر کذب محال عقلی ہوجائے۔ عصمت اگر بمعنی امتناع صدور وعدم قدرت ہی لیجئے تاہم امتناع ذاتی نہیں کہ سلب عصمت خود زیر قدرت۔ اب بحمد اللہ شمس تابندہ کی طرح روشن ودرخشندہ صادق آیا کہ " ومن اصدق من الله قیلا ۔ اور "العزة لله" کیوں نہ صادق آئے کہ آخر "ومن اصدق من الله حدیثا " یہ دیکھو یہ منشا تھا علما کے اس ارشاد کا کہ زیر آیت کریمہ استدلال میں فرمایا کہ کوئی اس سے کیونکر اصدق ہوسکے کہ اس پر تو کذب محال اوروں پر ممکن ۔والحمد لله رب العالمین ۔

(فتاویٰ رضویہ جدید)

## مثال سوم =

قال الله تعالی : وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا ط لا مبدل لکلمته وهو السمیع العلیم" [ سورة الانعام ۔ ۱۱۰]

اور پورا ہے تیرے رب کا کلام صدق وانصاف میں، کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:۔صدق قائل کے لئے درجات ہیں۔اور باری عزوجل کا کلام انتہا درجہ صدق وعدل پر ہے جس کا مثل ان امور میں متصور نہیں۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اخبار، احکام اور مواعید انتہائی کامل ہیں۔اخبار ومواعید صدق کے اعتبار سے۔اور قضایا واحکام عدل کے اعتبار سے۔

پھر امام احمد رضا نے صدق قائل کے سات درجات شمار فرمائے جن کی تلخیص اس طرح ہے۔

## درجہ اول =

روایات وشھادات میں قطعا کذب سے محترز ہو۔اور مخاطبات میں بھی زنہار ایسا جھوٹ روا نہ رکھے جس میں کسی کا اضرار ہو اگر چہ اسی قدر کہ غلط بات کا باور کرانا۔مگر مزاحاً یا عبثاً ایسے کذب کا استعمال کرے جو نہ کسی کو نقصان دے۔نہ سننے والا یقین لا سکے۔

مثلاً آج زید نے منوں کھانا کھایا، آج مسجد میں لاکھوں آدمی تھے۔ایسا شخص کاذب نہ گنا جائے گا۔یا۔مردود الروایۃ نہ ہوگا۔تاہم بات خلاف واقع ہے اور محض فضول وغیر نافع۔اگر چہ نفس کلام میں حکایت واقع، مراد نہ ہونے پر دلیل قاطع۔

## درجہ دوم =

ان لغو وعبث جھوٹوں سے بھی بچے۔مگر نثر یا نظم میں خیالات شاعرانہ ظاہر کرتا ہو۔جس طرح قصائد کی تشبیبیں۔ع

" با نت سعاد فقلبھیالیو م متبو ل " سعاد کی جدائی پر آج میرا دل مضطرب ہے۔

سب جانتے ہیں کہ وہاں نہ کوئی عورت سعاد نامی تھی، نہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر مفتون، نہ وہ ان سے جدا ہوئی، نہ یہ اس کے فراق میں مجروح۔محض خیالات شاعرانہ ہیں،

مگر نہ فضول بحث، کہ تشحید خاطر و تشویق سامع و ترقیق قلب و تزئین سخن کا فائدہ رکھتے ہیں۔ تاہم از انجا کہ حکایت بے محکی عنہ ہے، ارشاد فرمایا گیا۔

"وما علمنٰه الشعر وما ینبغی له" [سورۃ یٰس۔۶۹]

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

درجہ سوم =

ان سے بھی تحرز کرے مگر مواعظ و امثال میں ان امور کا استعمال کرتا ہو جن کے لئے حقیقت واقعہ نہیں جیسے کلیلہ دمنہ کی حکایتیں،، منطق الطیر کی روایتیں۔ اگر چہ نصیحت کے لئے یہ تمثیلی باتیں بیان کی گئی ہیں جن سے دینی منفعت مقصود، پھر بھی انعدام مصداق موجود۔ والہٰذا قرآن عظیم کو " اساطیر الاولین "(پہلوں کے قصے) کہنا کفر ہوا۔ جیسے آج کل کے بعض کفار لیام، مدعیان اسلام، نئی روشنی کے پرانے غلام، دعویٰ کرتے ہیں کہ کلام عزیز میں آدم وحوا کے قصے، شیطان و ملک کے افسانے، سب تمثیلی کہانیاں ہیں جن کی حقیقت مقصود نہیں۔ " تعالی الله عما یقول الظالمون علواً کبیرا۔

درجہ چہارم =

ہر قسم حکایت بے محکی عنہ کے تعمد سے اجتناب کلی کرے اگر چہ برائے سہو وخطا حکایت خلاف واقع کا وقوع ہوتا ہو۔ یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

درجہ پنجم :-

اللہ عزوجل سہواً وخطا بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو۔ یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے۔ کہ حدیث شریف میں ہے:

"ان الله تعالی یکره فوق سمائه ان یخطاء ابو بکر الصدیق فی الارض،

اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند فرماتا۔ یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمیں پر غلطی کریں۔

درجہ ششم =

معصوم من اللہ ومؤید بالمعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوعی بھی نہ رہے، مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو۔

یہ رتبہ حضرات انبیاء ومرسلین علیہم الصلوۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

درجہ ہفتم =

کذب کا امکان ذاتی بھی نہ ہو۔ بلکہ اس کی عظمت جلیلہ وجلالیت عظیمہ بالذات کذب وغلط کی نافی ومنافی ہو، اور اس کی ساحت عزت کے گرد اس گردلوث کا گزر محال عقلی۔ یہ نہایت درجات صدق ہے جس سے مافوق متصور نہیں۔ اب آیہ کریمہ ارشاد فرما رہی ہے۔ کہ تیرے رب کا صدق و عدل اعلیٰ درجہ منتہیٰ پر ہے۔ تو واجب کہ جس طرح اس سے صدور ظلم وخلاف عدل باجماع اہل سنت محال عقلی ہے، یوں ہی صدور کذب وخلاف صدق بھی عقلاً ممتنع ہو۔ ورنہ صدق الٰہی غایت ونہایت تک نہ پہنچا ہوگا کہ اس کا مافوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہوگا۔ یہ خود بھی محال اور قرآن عظیم کے خلاف۔ فثبت المقصود والحمد للہ العلی الودود۔

(فتاویٰ رضویہ جدید ۱۴)

## مثال چہارم =

تو لج اللیل فی النھا ر وتو لج النھا ر فی اللیل"

[سورۃ ال عمران۔۲۷]

امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ نماز مغرب کا وقت افق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی معاً ہو جاتا ہے۔ یا جب سیاہی بلند ہو جاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے۔ برتقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں۔

آپ نے قرآن حکیم کی اس آیت سے وقت مغرب کے سلسلہ میں ایسا منفرد اور اچھوتا استدلال فرمایا کہ ہر قاری کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور قلوب واذھان منور ومجلی۔

اصول وقواعد سے مملو تفسیر وتوضیح ملاحظہ کیجئے۔فرماتے ہیں۔

افق شرقی سے سیاہی کا طلوع قرص شمس کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے،سیاہی کئی گز بلند ہو جاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے۔جس طرح قرص شمس کے شرعی طلوع سے سیاہی غربھیکا غروب بہت بعد ہوتا ہے۔آفتاب مرتفع ہو جاتا ہے اس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے۔اس پر عیان وبیان وبرھان سب شاہد عدل ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:"لیس الخبر کالمعاینه"

خبر شاہد کی طرح نہیں۔

جسے شک ہو طلوع وغروب کے وقت جنگل میں جا کر جہاں سے دونوں جانب افق صاف نظر آئیں مشاھدہ کرے،جو کچھ مذکور ہوا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائے گا۔الحمد للہ عجائب قرآن منتہی نہیں۔

کما فی حدیث الترمذی عن امیر المؤمنین علی رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلملا تنقضی عجا ئبه۔

ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو اس آیہ کریمہ کے مطالع رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں۔رات یعنی سایہ زمیں کی سیاہی کو حکیم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے ،ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے،ابی ظلمت شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی۔

کیونکہ ایک چیز دوسری چیز میں اسی وقت داخل ہو سکتی ہے جب دونوں موجود ہوں۔نہ کہ ایک ختم ہو جائے اور اس کے بعد دوسری آئے۔اور لیل ونہار بمعنی رات اور دن آپس میں متضاد ہیں۔اکھٹے نہیں ہو سکتے۔تو مجازی معنی مراد لینا ضروری۔اور اس کا اقرب طریقہ وہی ہے جو فقیر نے بیان کیا۔کہ لیل سے مراد تاریکی اور نہار اپنے معنی حقیقی میں۔اس طرح داخل کرنے کا مفہوم بغیر کسی تکلف کے ظاہر ہوگا اور مجاز کی ضرورت سے زیادہ ضرورت نہیں ہوگی۔اور اس کا عکس بھی ممکن کہ نہار سے مراد سورج کی شعاعیں اور لیل اپنے معنی حقیقی میں۔اس صورت میں

آیت کے اندر اشارہ ہوگا کہ مشرقی افق میں سورج کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے اور رات بھی باقی ہے جیسا کہ صبح کاذب کے وقت ہوتا ہے۔ اور لیل سے مراد لیل عرفی لی جائے تو یہ مفہوم مزید واضح اور کامل۔ نیز اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہوگا کہ مغربی افق میں شفق احمر وابیض کے دوران سورج کی روشنی باقی ہوتی ہے اس کے باوجود رات ہو جاتی ہے۔

قرآن عظیم کا نائب کریم کلام صاحب جوامع الکلم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہے، صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد و جامع ترمذی ومسند امام احمد میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

" اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ۔

جب ادھر سے رات آئے اور اُدھر سے دن پیٹھ دکھائے اور سورج پورا ڈوب جائے تو روزہ دار کا روزہ پورا ہو چکا۔

لیل سے مراد سیاہی اور نہار سے مقصود ضوء۔ " فان الاقبال من ھھنا والادبار من ھھنا نمایکون لھما " کیونکہ تاریکی اور روشنی ہی ادھر سے آتی ہیں اور ادھر جاتی ہیں۔

تیسیر میں ہے:

"اذااقبل اللیل یعنی ظلمته وادبر النھار ای ضوءہ۔

عالم ماکان وما یکون صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تینوں لفظ اسی ترتیب سے ارشاد فرمائے جس ترتیب سے واقع ہوتے ہیں۔ پہلے سیاہی اٹھتی ہے، اس وقت تک اگر افق صاف اور غبار وبخار سے پاک ہو آفتاب کی چمک باقی رہتی ہے بلکہ قلل جبال واعالی اغصان تجر پر عکس ڈالتی ہے، پھر جب قرص چھپنے پر آیا تکاثف بخرہ افقیہ وکثرت بعد عن الابصار، وطول مرور شعاع البصر فی ثخن کرۃ البخار کے باعث روشنی بالکل محتجب ہو جاتی ہے مگر ہنوز قدرے قرص بے تکلف۔ اس معنی پر بحمدہ اللہ تعالی انتظام کلام اسی اعلی جلالت پر جلوہ فرما ہے جو صاحب جوامع الکلم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان رفیع بلاغت بے مثل کو شایاں وبجا ہے۔

(فتاوی رضویہ جدید)

# مآخذ ومراجع


۱۔ التفسیر والمفسرون للدکتور حسین الذھبی

۲۔ البرہان فی علوم القرآن للزرکشی

۳۔ میزان الاعتدال

۴۔ الجامع الصحیح للبخاری

۵۔ الصحیح لمسلم

۶۔ الجامع للترمذی

۷۔ المسند للحمیدی

۸۔ المصنف لابن ابی شیبۃ

۹۔ کنز العمال للمتقی

۱۰۔ المسند لاحمد بن حنبل

۱۱۔ السنن للدارمی

۱۲۔ کنز العمال لمتقی

۱۳۔ جمع الجوامع للسیوطی

۱۴۔ السنن لابن ماجہ، الجہاد

۱۵۔ المسند لاحمد بن حنبل،

۱۶۔ المعجم الکبیر للطبرانی

۱۷۔ مجمع الزوائد للہیثمی

۱۸۔ التاریخ الکبیر للبخاری، ۱/۲۰۹

۱۹۔ السنن الکبری للبیھقی

۲۰۔ اللآلی المصنوعۃ للسیوطی

۲۱۔ تنزیہ الشریعۃ لابن عراق

۲۲۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر
۲۳۔ تاریخ دمشق لابن عساکر
۲۴۔ السنن الکبری للبیہقی
۲۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی
۲۶۔ نزھۃ الخواطر
۲۷۔ خطبۂ صدارت ناگپور
۲۸۔ کلمۂ آغاز شمولہ فتاوی رضویہ جدید جلد اول
۲۹۔ امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں
۳۰۔ سالنامہ معارف رضا کراچی
۳۱۔ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین
۳۲۔ جامع الاحادیث جلد چہارم
۳۳۔ فتاوی رضویہ جدید چہاردہم
۳۴۔ تفسیر ابن جریر
۳۵۔ فتاوی رضویہ جدید پانزدہم
۳۶۔ فتاوی افریقہ
۳۷۔ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین
۳۸۔ فتاوی رضویہ جدید چہاردہم
۳۹۔ الجامع الصغیر
۴۰۔ فتاوی رضویہ جدید

# فہرست مضامین

# علم حدیث کی تاریخ پر تفصیلی دستاویز

## تدوین حدیث

قرآن وحدیث شریعت اسلامیہ کی اساس و بنیاد ہیں، لہذا اصحابہ کرام وتابعین عظام نے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کے لئے شب وروز جد وجہد فرمائی اسی طرح سنت وحدیث کی حفاظت کے لئے بھی تن دہی سے کام لیا۔ بعض صحابہ کرام نے خود اپنی روایت کردہ احادیث کو خود اپنے صحیفوں میں لکھ لیا تھا اور بعض نے اپنے تلامذہ کے ذمہ یہ کام سونپ دیا تھا، اس طرح بے شمار احادیث اسی زمانہ میں قید تحریر میں آ گئی تھیں۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا احادیث نبویہ میں جعل وتزویر کے خدشات رونما ہوتے گئے تو تابعین اور پھر تبع تابعین نے اس علم کی حفاظت کے لئے بیڑا اٹھایا اور کمر بستہ ہوکر اس میدان میں اتر آئے۔

پہلی صدی کے مجدد اعظم خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار خلافت سے یہ فرمان جاری فرمایا کہ محافظین سنن اور حاملین احادیث نہایت دیانتداری سے اس علم کو مدون کریں کہ مجھے اس علم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو چلا ہے۔ لہذا امام المحدثین حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقا ومعاصرین نے اس علم کی حفاظت کے لئے لائق صد تحسین خدمات انجام دیں۔ پھر امام المجتہدین سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے تلامذہ امام ابو یوسف، امام عبداللہ بن مبارک، امام یحییٰ بن سعید قطان، امام محمد، اور امام حفص بن غیاث وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علم حدیث کے الفاظ و معانی کی حفاظت میں وہ شاندار اور قابل قدر کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ رہتی دنیا تک ان کے خوان علم سے اہل علم خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔

یہ علم کن مراحل سے گذرا، ائمہ نے اس کو کس طرح پروان چڑھایا اور ہم تک کن منزلوں سے گذرتا ہوا پہونچا، ان تمام چیزوں کو جو جاننے کے لئے اس کتاب کو پڑھیں، عمدہ کاغذ، دیدہ زیب ٹائٹل اور خوبصورت کتابت وطباعت کے ساتھ یہ کتاب منظر عام پر آ گئی ہے۔

قیمت 40=00 سائز 23X36X16 صفحات 152

ناشر: امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف

## مجتہدین وفقہا اور محدثین کی حیات وخدمات پر جامع کتاب

# حالات فقہا ومحدثین

یہ کتاب ان نفوس قدسیہ کی علمی ودینی خدمات پر مشتمل ہے جنہوں نے اپنی تمام تر مساعی جمیلہ اشاعت دین متین میں صرف فرمائیں۔امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر سیدنا حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ تک تقریبا چالیس فقہا ومحدثین کا تذکرہ اختصار وجامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

معاندین ومخالفین کا عام طور پر یہ دعوی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ سے پندرہ یا سترہ احادیث مروی ہیں لہذا علم حدیث میں قلیل الروایت ہونے کے سبب ان کے مذہب کی بنیاد قیاس پر ہے اور یہ حدیث میں تہی دست ہیں۔اسی طرح اعلیٰ حضرت کے بارے میں کہا گیا کہ یہ حدیث وتفسیر میں قلیل البضاعت تھے۔اس کتاب میں ان دونوں مفروضوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور خاص طور پر ان دونوں عظیم وجلیل شخصیات کی علم حدیث میں عبقریت ومہارت تامہ کے شواہد پیش کئے گئے ہیں۔

عمدہ کاغذ، دیدہ زیب ٹائٹل اور خوبصورت کتابت وطباعت کے ساتھ یہ کتاب منظر عام پر آگئی ہے۔

سائز 23X36X16 صفحات 304

قیمت:80=00

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف

## طلبہ کے لئے مسائل نحو کی باریکیوں پر مشتمل ایک قیمتی تحفہ ''الالغاز النحویہ'' یعنی

# نحوی پہیلیاں

''نحوی پہیلیاں'' حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب قبلہ کی ایک بیش قیمت تصنیف ہے جس میں انہوں نے سوالات و جوابات کی صورت میں علم نحو کے ایسے اہم مسائل ترتیب دیئے ہیں جن کی طرف عام طور سے طلبہ بہت کم توجہ دیتے ہیں۔

پہلے پہیلیوں کے عنوان سے سوالات درج کئے گئے ہیں جن کو پڑھ کر نحو کا طالب علم سخت حیرت اور خلجان میں مبتلا ہو کر کشمکش میں پڑ جاتا ہے، لہٰذا بے اختیار ہو کر جواب کا صفحہ پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جواب پڑھتے پڑھتے اس کے ذہن کی گرہیں کھلتی جاتی ہیں، یہ طرز تحریر طالب علم کو پوری طرح کتاب میں غرق کر دیتا ہے اور مسائل نحو اس کے ذہن پر ثبت ہوتے چلے جاتے ہیں۔

''نحوی پہیلیاں'' پہلی بار ۱۹۸۷ء میں رضا دار الاشاعت بہیڑی سے شائع ہوئی تھی۔ رضا دار الاشاعت کے بند ہونے کے بعد اب تک اس کا سلسلۂ طباعت موقوف رہا۔ بحمدہ تعالیٰ اب یہ اکیڈمی کی طرف سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

سائز 23X36X16 صفحات 168

قیمت: 45=00

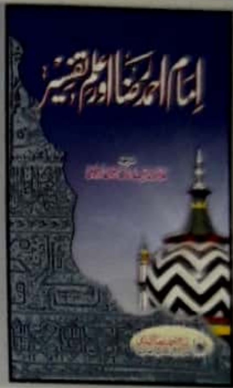
ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف




## نحوی پہیلیاں

یہ کتاب سوالات وجوابات کی شکل میں علم نحو کے ایسے اہم مسائل پر مشتمل ہے جن کی طرف عام طور سے طلبہ کم توجہ دیتے ہیں، پہیلیاں کی شکل میں سوالات پڑھ کر جب طالب علم جواب پڑھتا ہے تو اس کے ذہن کی گرہیں کھل جاتی ہیں اور مسائل نحو ذہن پر ثبت ہو جاتے ہیں۔




## امام احمد رضا اور علم تفسیر

اس کتاب میں امام احمد رضا قدس سرہ کی علم تفسیر میں مہارت اور مفسرین کی علمی خدمات کی تفصیلات جامعیت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ساتھ ہی مفسرین کی علمی وتفسیری خدمات اور ان کی سوانح بھی تحریر کی گئی ہے۔




## واحد وجمع

طلبہ عام طور پر کسی لفظ مفرد کی جمع کے صیغے جاننے کے لئے خلجان میں مبتلا رہتے ہیں، اس کتاب میں واحد وجمع کے اوزان کو عنوان بنا کر بہت سے مفردات اور ان کی جموع لکھ دی گئی ہیں تاکہ طلبہ ان کو یاد رکھیں اور پھر بہت سے مفردات کی جموع نکالنا ان کو آسان ہو جائے۔




## تدوین ادیث

فقہاء ومحدثین نے علم حدیث کی حفاظت کس طرح فرمائی اور یہ علم کن مراحل سے گزر کر ملت اسلامیہ تک پہنچا، اس کی تفصیلات اس کتاب میں شرح وبسط کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں، ساتھ ہی منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات بھی۔

**IMAM AHMAD RAZA ACADEMY**

Saleh Nagar, Rampur Road, Bareilly, (U.P.)